آنکھوں
آگے رُکے
تھے راستے
نگہت عبداللہ

کہاں آ کے رکے تھے راستے

نگہت عبداللہ

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: 7211468-7314169

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب	....	کہاں آکے رکے تھے راستے
مصنفہ	....	نگہت عبداللہ
ناشر	....	خزینہ علم وادب، لاہور
پروف ریڈنگ	....	طاہر شیر محمد
کمپوزنگ	....	لقمان/انیس احمد
سن اشاعت	....	جون 2010ء
قیمت	....	180/= روپے

ملنے کے پتے

خزینہ علم وادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

فون: 7352332-7232336

انتساب!

ماہا ملک

کے نام!

کہاں آ کے رکے تھے راستے

سب کے جاتے ہی اس نے جھکے ہوئے سر کو بہت آہستہ آہستہ سیدھا کیا۔ بھاری زیورات اس پر اتنا بھاری دوپٹہ اور یہ یقیناً اس بھاری دوپٹے کا کمال تھا جس نے اسے سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ اتنی شرمیلی وہ ہرگز نہیں تھی۔ بہرحال تنہائی ملتے ہی اس کا ہاتھ سب سے پہلے دوپٹے پر گیا۔ غالباً اتار کر ایک طرف رکھنا چاہتی تھی کہ سامنے آئینے میں اپنے آپ پر نظر پڑی، ایک پل کو اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔

''یہ میں ہوں!'' خود سے کہتے ہوئے دل یوں دھیرے دھیرے دھڑکنے لگا جیسے اس سے پہلے بالکل خاموش تھا اور اس نے بھی ابھی ابھی دھڑکنوں کی آواز سنی ہو، غالباً کوئی گیت الاپ رہی تھیں۔ اور گیت بھی وہ جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں سنا تھا۔ نیا انوکھا احساس، جس نے اس کے ہونٹوں کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ابھی کچھ وقت پہلے بھابی اور سیما اسے تیار کر کے پھر کتنی دیر تک اسے سراہتی رہی تھیں کہ وہ بہت پیاری بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ لیکن وہ انجان بنی بیٹھی رہی تھی۔ خود کو ڈھنگ سے دیکھا بھی نہیں تھا، اور اب اچانک دھڑکنوں نے گیت الاپ کر اس خواہش کو جلا بخشی تھی کہ ''وہ'' اسے دیکھے اور بہت محبت سے سراہے بھی۔

اور اسی خواہش کے زیر اثر اس نے آئینے میں اپنا تفصیلی جائزہ لیا۔ پھر دوپٹے کو ٹھیک طرح سے سر پر جما رہی تھی کہ باہر قدموں کی آواز سن کر فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی۔

اب دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کہ ابھی وہ اندر داخل ہو گا۔ لیکن کتنے پل بیت گئے۔ اس نے دروازے کی سمت دیکھا۔ تب دوسری طرف نہ صرف کسی کی موجودگی کا احساس ہوا بلکہ کچھ آوازیں بھی سنائی دیں۔ پہلے وہ یہی سمجھی کہ بہنیں اور کزنز اس سے نیگ وصول کر رہی ہوں گی۔ لیکن جب غور کیا تو صورتحال کچھ مختلف محسوس ہوئی۔ فطری طور پر متجسس سی ہو کر اس نے اپنی ساری توجہ اس طرف مرکوز کر دی۔ اس کی بڑی نند کی آواز تھی۔

''دیکھو شہریار! اس سارے قصے میں اس لڑکی کا کوئی قصور نہیں جو اندر تمہاری منتظر ہے۔

تمہیں اب اس کے وجود کو تسلیم کر لینا چاہیے۔"

"ہرگز نہیں۔" اس کی آواز میں غصے کے ساتھ جھنجھلاہٹ تھی۔" میں کبھی اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ وہ میری خوشیوں کی قاتل ہے۔"

"پاگل مت بنو۔ اسے کیا خبر کہ تم!"

"اور سب کو تو خبر تھی ناں۔ پھر پاپا نے میرے ساتھ زبردستی کیوں کی؟"

"آہستہ بولو۔ وہ سن لے گی۔"

"تو سن لے، بلکہ اب میں اسے ہی سناؤں گا۔"

"خدا کے لیے شہریار۔"

آپی اس کی منت کرنے لگیں، اور وہ جو ابھی ابھی دھڑکنوں کی مدھر لے پر نئے اور انوکھے احساس سے ہمکنار ہوئی تھی۔ ایکدم سناٹے میں آ گئی۔ محبت سے سراہے جانے کی خواہش نے سچ مچ رسوا کر دیا تھا۔ جس کے لیے سنواری گئی تھی، وہ دیکھنے تک پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اور یہ اس کی توہین ہی تو تھی۔ کومل جذبوں اور نسوانیت کی توہین۔

پھر اچانک حواسوں میں آئی تو دل چاہا پل میں سب کچھ تہس نہس کر دے۔ جیسے اس کے اندر محشر برپا ہو گیا تھا۔ وہ باہر بھی قیامت لے آئے اور یقیناً وہ ایسا کر گزرتی اگر جو میکے کا خیال دامن نہ تھام لیتا۔ اور یہی سچ ہے کہ ننانوے فیصد لڑکیاں صرف میکے کا خیال کر کے خود کو آزمائشوں کی بھٹی میں جھونک دیتی ہیں۔ سسرال میں ستم سہنا اور میکے میں مسکرا کر سب ٹھیک ہے کا اعلان کرنا۔ سچ مچ کتنی دوغلی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔

وہ سوچتی ہوئی بیڈ سے اتری اور ڈریسنگ روم کا رخ کیا۔ قد آدم آئینے میں خود پر نظر پڑی تو ایک پل کو ٹھٹھکی لیکن اگلے پل احساس توہین میں گھر کر تلخی سے سوچا۔

"میں تمہاری خوشیوں کی قاتل نہیں ہوں شہریار علی! جبکہ تم نے واقعی مجھے قتل کیا ہے اور میں اپنا خون بہا معاف نہیں کروں گی۔"

پھر اس نے جلدی سے تمام زیورات اتار کر دراز میں ڈالے، اس کے بعد لباس تبدیل کر کے واش روم کا رخ کیا۔ منہ ہاتھ دھو کر دوبارہ کمرے میں آئی تو ابھی تک دروازے کے دوسری طرف سرگوشیاں جاری تھیں۔ گویا ابھی تک آپی اس کی منتیں کر رہی تھیں، وہ بری طرح سلگ کر رہ گئی۔ اور پھر ایک پل میں فیصلہ کر کے آگے بڑھی اور۔ دروازے کا لاک لگا دیا۔ ظاہر ہے لاک لگنے کی آواز اس طرف سنی گئی۔ آپی کے ساتھ ساتھ اس نے بھی چونک کر بند دروازے کو دیکھا

پھر بے حد خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کچھ دیر بعد اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ آپی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر لابی میں آ گئیں اور تشویش سے بولیں۔

"یہ بہت برا ہوا شہری! اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔"

"اچھا ہے، اب مجھے اس کے سامنے دہرانی نہیں پڑیں گی۔"

اس کے اطمینان سے کہنے پر آپی کو غصہ آ گیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اگر پاپا کو پتا چل گیا کہ تم نے دلہن کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو وہ تمہارا حشر خراب کر دیں گے۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"چہ خوب! گویا تم نے کچھ کیا ہی نہیں۔"

آپی نے پہلے طنز کیا پھر حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے نرم پڑ کر کہنے لگیں۔

"چھوڑو، یہ سب باتیں، پہلے دروازہ کھلوانے کی ترکیب کرو۔"

"کیا ضرورت ہے، میں یہیں کہیں سو جاتا ہوں صبح خود ہی کھولے گی۔"

"ٹھیک ہے، اب اگر تم کسی مشکل میں پھنسو تو میرے پاس مت آنا۔"

آپی پیر پٹختی ہوئی دوسری طرف نکل گئیں تو اس نے پہلے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ لیکن پھر فوراً احساس ہوا کہ یہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ اگر کہیں پاپا کسی کام سے اس طرف آ گئے تو وہ اپنی یہاں موجودگی کا کیا جواز پیش کرے گا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے اس طرف دیکھا۔ جدھر آپی گئی تھیں لیکن اب ان کے پاس جانا فضول تھا کیونکہ اس طرح سب کے متوجہ ہونے کا خدشہ تھا۔

کچھ دیر وہیں لابی میں ٹہل کر سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے، پھر اسی طرح بے آواز قدموں سے چلتا ہوا، اپنے کمرے تک آیا اور بہت آہستہ سے دروازے پر دستک دی، دوسری طرف خاموشی چھائی رہی اور اتنا تو اسے یقین تھا کہ وہ سوئی نہیں ہو گی، ظاہر ہے جب پھولوں کی سیج پر کانٹے بچھ جائیں تو نیند کہاں آتی ہے، وہ دستک سن کر چونکی ضرور لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ پھر دوبارہ سہ بارہ اس کے بعد مسلسل دستک ہونے لگی۔ تب لاچار وہ دروازے تک آئی اور آہستہ آواز میں پوچھا۔

"کون؟"

''دروازہ کھولیں محترمہ! مجھے کچھ چیزیں لینی ہیں۔''

وہ اس کے، کون پوچھنے پر بری طرح تلملا گیا تھا۔ بمشکل آواز پر قابو رکھ کر بولا۔ اور اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد دروازہ کھولا اور خود دروازے کے پیچھے چلی گئی۔ وہ اندر آ کر غالباً اس کی تلاش میں ادھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔

پھر ایکدم دروازے کی طرف پلٹا تو وہ بظاہر پر سکون اور مطمئن سی نظر آ رہی تھی۔ تب وہ آہستہ آواز میں مگر غرا کر بولا۔

''دروازہ لاک کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

وہ کچھ نہیں بولی اور آگے بڑھ کر تکیہ اس انداز میں سیدھا کیا جیسے سونے کا ارادہ رکھتی ہو۔ وہ اس کا ارادہ بھانپ کر پھر غرایا۔

''آپ یہاں نہیں سو سکتیں؟''

''کیوں؟'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

''اس لیے کہ یہ میرا کمرہ ہے۔''

''اور میرا کمرہ کون سا ہے؟''

وہ اب سیدھی کھڑی ہو کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی جس سے وہ جھنجلا کر بولا۔

''مجھے نہیں پتا۔''

''کمال ہے۔ مجھے اس گھر میں لانے والے آپ، اور آپ کو نہیں پتا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''آپ کو یہاں میں نہیں پاپا لے کر آئے ہیں۔''

''کیا؟'' اس نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ ''میرا نکاح آپ کے ساتھ ہوا ہے یا آپ کے پاپا کے ساتھ؟''

''شٹ اپ۔'' اسے جیسے آگ لگ گئی تھی۔

''آپ انتہائی درجے کی بدتمیز خاتون ہیں۔''

''گریبان میں جھانک کر بات کریں شہریار علی! بلکہ اب مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو جو کچھ لینا ہے، لیں اور جائیں یہاں سے مجھے نیند آ رہی ہے۔''

وہ اس کی بات پر اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکی۔ پیشانی پر بے شمار بل ڈال کر اسے جانے

کے لیے کہا۔ تو وہ چیخ کر بولا۔

''میں، میں جاؤں یہاں سے؟''

''ٹھیک ہے، میں چلی جاتی ہوں۔''

وہ پیر پٹختی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ تب وہ ایکدم سٹپٹا کر سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ، میرا مطلب ہے آپ سو جائیں۔ لیکن دروازہ لاک مت کیجئے گا۔''

وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ تب وہ آ کر لیٹی اور اس ساری صورتحال کو سوچنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب وہ شادی کرنا نہیں چاہتا تھا تو اسے مجبور کیوں کیا گیا اور وہ مجبور کیوں ہوا۔ منع بھی تو کر سکتا تھا۔

نہ آپس کی رشتہ داری تھی نہ ہی بندھن بہت پرانا تھا۔ ابھی دو مہینے پہلے ہی تو منگنی ہوئی تھی، جو اگر توڑ دی جاتی تو اتنا نقصان بھی نہیں ہوتا۔ یہی سب سوچتے ہوئے وہ جانے کب سو گئی تھی۔

☆

کچھ گرنے اور ٹوٹنے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ فوری طور پر یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور جب ذرا سی گردن موڑی تو اس پر نظر پڑی۔

رات جانے کس وقت وہ آ کر صوفے پر سو گیا تھا۔ اور اب غالباً کروٹ بدلتے ہوئے خود تو نیچے گرا ہی قریب ٹیبل پر جو گلاس اور ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی اس کا ہاتھ لگنے سے وہ بھی نیچے آ رہے تھے۔ وہ پہلے تو حیران ہوئی پھر جس طرح وہ اپنے گرنے پر خجل سا ہو رہا تھا۔ اس پر اسے بے ساختہ ہنسی آئی اور روک بھی نہیں سکی۔ وہ اسے ہنستے دیکھ کر فوراً کھڑا ہوا اور بدحواسی میں اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔ حالانکہ نیچے کارپٹ تھا۔

''خجالت کی گرد جھاڑنے سے نہیں جھڑتی۔'' وہ کہتی ہوئی بیڈ سے اتر آئی۔

''آپ بہت!''

''بدتمیز نہیں ہوں'' اس نے فوراً ٹوکا پھر کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا۔ ہلکی ہلکی سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ تب اس نے وہاں سے ہٹ کر واش روم کا رخ کیا۔ وضو کر کے واپس آئی تو۔ جاء نماز کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔

''آپ نماز تو نہیں پڑھتے ہوں گے!''

''کیوں، کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟'' وہ بری طرح سلگ کر بولا۔

''مسلمان لگتے تو نہیں۔''

"مسلمانوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں کیا؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا سر توڑ دے۔

"نہیں، بلکہ مسلمانوں کی زبان میٹھی ہوتی ہے۔" وہ چادر بچھا چکی تھی، اپنی بات کہہ کر جلدی سے نیت باندھ لی۔ وہ کچھ دیر خشمگیں نظروں سے اسے گھورتا رہا پھر کمرے سے نکل گیا۔

پھر نماز سے فارغ ہو کر وہ ابھی چادر تہہ کر رہی تھی کہ آپی آ گئیں۔ کچھ شرمندہ سی۔ اس سے نظریں بھی نہیں ملا سکیں۔

"بہت جلدی اٹھ گئیں تم؟"

"جی، میں ہمیشہ سے اسی وقت اٹھتی ہوں۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ جبھی آپی کو مزید کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے پڑے۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں۔ بیٹھیں ناں!" وہ انہیں سوچتے دیکھ کر بولی۔

"ہاں۔ وہ شہریار کہاں ہے؟"

آپی کو سچ مچ اس پر غصہ آ رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں اس لڑکی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا تھا۔ وہ اس گھر کی سب سے بڑی اولاد تھیں اور انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ پھر شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں بھی تھیں۔ ایسے میں چھوٹے بھائی کی بیوی کا یوں اپنے مقابل کھڑے ہونا انہیں بری طرح کھل رہا تھا۔ لیکن کیا کر سکتی تھیں۔ قصوروار تو اپنا ہی بھائی تھا۔ اس لیے غصہ بھی اسی پر آ رہا تھا۔

"شہریار علی ابھی کچھ دیر پہلے کمرے سے نکلے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہاں گئے۔"

اس نے بتا کر جتانا ضروری سمجھا۔

"اچھا!" آپی بے دھیانی میں واپس پلٹیں۔ لیکن پھر اچانک خیال آیا کہ اصل بات تو رہ گئی۔ دوبارہ پلٹ کر اس کے قریب آئیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے گویا ہوئیں۔

"اصل میں، میں اس لیے آئی تھی کہ تم سے شہریار کے رویے کی معذرت کر سکوں۔"

وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ کیونکہ ہرٹ تو وہ بھی ہوئی تھی، دوسرے لاکھ اسے بے قصور کہیں لیکن خود اپنی نظروں میں کیا مقام رہ گیا تھا۔

"بات کچھ بھی نہیں ہے۔" آپی اس کی صفائی پیش کرنے لگیں۔

"بس وہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ غالباً ذمہ داریوں سے گھبراتا ہے۔ اکلوتا ہے ناں جبھی کچھ لاابالی اور غیر ذمہ دار سا ہے۔ جبکہ پاپا اسے ذمہ دار انسان کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ جب ہی انہوں نے!"

"زبردستی مجھے ان پر مسلط کر دیا۔"

وہ بے اختیار کہہ گئی۔

"نہیں تم ایسا نہیں سوچو، اصل میں وہ پاپا کے آناً فاناً فیصلے پر کچھ جھنجھلایا ہوا سا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا۔"

پھر اس کی ٹھوڑی چھو کر پیار سے بولیں۔

"بھلا تم سے منہ موڑ سکتا ہے وہ!"

"اور کیسے منہ موڑا جاتا ہے!" اس نے سوچا۔

"اچھا۔ اب تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ناشتا یہیں کرو گی یا؟"

"سب کے ساتھ!"

وہ کہتی ہوئی ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ ہلکی تیاری کے بعد واپس آئی تو وہ نہ صرف موجود بلکہ منتظر کھڑا تھا۔ دیکھتے ہی بولا۔

"چلیے محترمہ! آپ کو ڈائننگ روم کا راستہ دکھا دوں۔"

"میرا نام صباحت ہے! یاد کر لیجیے۔" وہ اس کے محترمہ کہنے پر ٹوک کر بولی۔

"مجھے تو بس ایک ہی نام یاد ہے۔" وہ اپنی دھن میں کہہ گیا اور اس کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر ذرا سے کندھے اچکا کر آگے چل پڑا۔

ڈائننگ روم میں گھر کے تمام افراد پہلے سے موجود تھے۔ امی پاپا، آپی ان کے دونوں بچے اور میاں، چھوٹی دونوں نندیں جیہ اور صوفی، اور سب کی موجودگی کے باوجود غیر معمولی سی خاموشی چھائی تھی۔ اور ایسا پاپا کی وجہ سے تھا جن کی بارعب شخصیت کے ساتھ مزاج بھی بچوں کو خائف رکھتا تھا۔ اس نے دھیرے سے سلام کیا تو جواب میں صرف پاپا کی آواز سنائی دی۔ پھر ناشتا خاموشی سے کیا گیا۔

شام میں ولیمے کی تقریب تھی اور اگر خالص اس گھر کی تقریب ہوتی تو وہ بڑے آرام سے کمرہ بند کر کے بیٹھ جاتی۔ لیکن پورے جگ کے سامنے تماشا بننا بڑا مشکل تھا۔

لہٰذا وہ چپ چاپ آپی کے اشاروں پر چلتی رہی۔ وہی اسے بیوٹی پارلر لے کر گئیں پھر وہیں سے شادی ہال۔ جب اس کے میکے سے سب لوگ آئے تب بھی اس نے خود پر کسی قسم کا کوئی غلاف نہیں چڑھایا۔ کیونکہ یہ اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ شروع ہی سے جیسی تھی ویسی نظر آتی تھی۔ کبھی اس نے مصلحتاً بھی خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی، کسی سے مل کر خوشی ہوتی تو

برملا خوشی کا اظہار کرتی ورنہ مروتاً بھی رسمی جملہ تک نہیں کہتی۔ اور اس وقت اس کی کیفیت کچھ یوں تھی کہ ذہن مسلسل الجھا ہوا تھا۔ کیونکہ رات سے اب تک وہ یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ امی تو بس کھڑے کھڑے اس سے ملی تھیں البتہ بھابی اور سیما اس کے پاس بیٹھ گئیں اور جب بھابی نے شوخی و معنی خیزی سے شہریار کے بارے میں پوچھا تو وہ ایسے ہی الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی، وہ دوغلی نہیں تھی ورنہ ذرا سا مسکرا کر سر جھکانا کون سا مشکل تھا۔

''ہائیں، تم تو ایسے دیکھ رہی ہو جیسے شہریار کو جانتی تک نہیں۔''

بھابی نے اس کی غائب دماغی پر حیرت کا اظہار کیا تبھی آپی شہریار کو لے کر آ گئیں اور اس کے برابر بٹھا دیا۔ پھر جس طرح اس نے بھابی اور سیما کے شوخ جملوں کا برجستہ جواب دیا۔ اس سے وہ واقعی حیران ہو گئی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اس شادی پر ناخوش ہے۔ بلکہ اس کے وجود سے ہی منکر، اس کے برعکس یوں پوز کر رہا تھا۔ جیسے وہ ہمیشہ سے اس کی اولین تمنا رہی ہو۔ کتنی مشکل سے اس نے اپنی حیرت پر قابو پایا اور جب سیما نے اس سے رونمائی کی بابت پوچھا تو زندگی میں پہلی بار اس نے سچ کو اپنے ہونٹوں کے اندر روک لیا۔ اور کمال خوبصورتی سے شرگیں مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولی۔

ایسا تحفہ جو صرف دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' سیما نے حیران ہو کر پوچھا۔ جبکہ وہ بھی چونک کر دیکھنے لگا تھا اور وہ اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کر کے بولی۔

''محبت، اور سدا قائم رہنے والے اس احساس سے بڑھ کر میرے لیے اور کچھ بھی اہم نہیں۔''

اس سے پہلے کہ سیما کچھ کہتی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ پھر رات گئے جب کمرے میں آیا تو ایک پیکٹ اس کے قریب بیڈ پر پھینکتے ہوئے کہنے لگا۔

''آئندہ اگر کوئی رونمائی کے بارے میں پوچھے تو یہ دکھا دیجئے گا، کیونکہ مجھے یہ ہرگز منظور نہیں کہ آپ میری محبت کا جھوٹا ہی سہی دعوا کریں؟''

''کیوں، کیا اس کی دعوے دار کوئی اور ہے؟'' وہ اس کے تیز لہجے سے مرعوب نہیں ہوئی۔

''آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔''

مسٹر شہریار علی!'' وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''میں اس گھر میں آپ کی بیوی کی حیثیت سے آئی ہوں۔ اگر آپ مجھے یہ مقام نہیں دے سکتے تو ابھی فیصلہ کر دیجئے۔''

''ہو جائے گا فیصلہ بھی، تھوڑا انتظار کریں۔'' اس کے دل جلانے والے انداز پر وہ بپھر گئی۔

''آپ کرتے رہیں انتظار میں ابھی پاپا سے بات کرتی ہوں۔''

''ارے!'' وہ ایک ہی جست میں اس سے پہلے دروازے تک پہنچ گیا۔ اور لاک لگا کر اس کی طرف پلٹا اور کہنے لگا۔

''کمال کرتی ہیں آپ بھی، یعنی آپ کو اپنا بھی خیال نہیں ہے۔ ابھی کل ہی آپ کی شادی ہوئی ہے اور آج فیصلہ کروا کے گھر جا بیٹھیں گی تو ذرا سوچیے لوگ آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔''

''مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں'' وہ اس کے خوف دلانے کے باوجود خوفزدہ نہیں ہوئی۔

''لیکن آپ کے گھر والوں کو ضرور پرواہ ہو گی۔''

''آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''میں بتاتا ہوں۔ لیکن پلیز پہلے یہاں آرام سے بیٹھ جائیں۔''

وہ باقاعدہ خوشامد پر اتر آیا اور جب وہ بیٹھ گئی تب کہنے لگا۔

''آپ پاپا کو نہیں جانتیں، بہت سخت ہیں یقین کریں ان کی مرضی کے بغیر یہاں!''

''پلیز!'' اس نے ٹوک کر اسے بولنے سے روک دیا پھر کہنے لگی۔

''پاپا کا مزاج بتانے کے بجائے اپنی بات کریں۔ آخر مجھ سے شادی کرنے کا کیا مقصد تھا؟''

''میں نے کسی مقصد کے تحت نہیں بلکہ پاپا کے کہنے پر کی ہے، کیونکہ ان کی بات سے انحراف کی یہاں کسی میں جرات نہیں ہے۔ اس لیے مجھے مجبوراً۔ آئی ایم سوری۔ میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا۔ بس آپ خود ہی سمجھ جائیں۔''

وہ اس سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور وہ جانے کیا سوچنے میں لگ گئی۔ قدرے تاخیر سے وہ پھر کہنے لگا۔

''آپ پلیز میرے ساتھ تعاون کریں میرا مطلب ہے کچھ وقت خاموشی سے یہاں رہ لیں پھر میں ایسے حالات پیدا کر دوں گا کہ علیحدگی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔''

وہ اسی خاموشی سے بے اختیار نظریں اس پر جمائے دیکھے گئی۔

☆

اس کا خیال تھا کہ اس کی ساری بات سن کر سارہ اس سے ہمدردی جتائے گی۔ کہ تم پر بہت ظلم ہوا ہے۔ لیکن وہ تو پوری بات سنے بغیر ہی رونے لگی تھی۔ اور وہ اس کے رونے سے پریشان۔''

"سارہ پلیز، پہلے میری پوری بات تو سنو۔"

"اب اور کیا رہ گیا ہے سنانے کو۔" وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

"دیکھو میں نے شادی ضرور کی ہے۔ لیکن یقین کرو وہ ابھی بھی میرے لیے قطعی اجنبی ہے۔ اگر مجھے تمہیں فریب دینا ہوتا تو اپنی شادی کا بتاتا ہی کیوں، بڑے آرام سے حقیقت چھپا کر تم سے اسی طرح ملتا رہتا۔"

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی بات کی صداقت کا اندازہ کر رہی ہو اور وہ سمجھ کر کہنے لگا۔

"میرا یقین کرلو سارہ! میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"میں تمہارا یقین کر لیتی ہوں۔ لیکن یہ اجنبیت کب تک چلے گی۔ بالآخر وہ تمہاری بیوی ہے۔"

وہ یقین کر کے اب اندیشوں میں گھر رہی تھی۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں نے اس لڑکی کو تمام۔ صورتحال بتا دی ہے اور یہ بھی کہ میں کچھ وقت کے بعد اسے آزاد کر دوں گا۔ اب تم ہی بتاؤ، میرے ارادے جان کر کیا وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے گی۔" وہ اپنی پلاننگ بتا کر ذرا سا مسکرایا۔ تو اس نے پہلے نفی میں سر ہلایا پھر تاسف سے بولی۔

"لیکن شہری! کیا یہ اس کے ساتھ ظلم نہیں ہے۔"

"کم آن یار! اب تم اس کے بارے میں مت سوچو، یوں بھی وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔"

وہ قدرے جھنجلایا اور آخری بات بلا ارادہ وہ کہہ گیا اور وہ اسی پر چونک کر دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" اور اسے وضاحت کرنی پڑی۔

"میرا مطلب ہے اس نے عام لڑکیوں کی طرح رونا دھونا نہیں مچایا بلکہ وہ تو فوری فیصلے کی بات کر رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں نے سمجھایا۔"

وہ اس کی وضاحت سن کر جانے کیا سوچنے لگی۔ پھر اچانک کسی خیال کے تحت پوچھنے لگی۔

"سنو، کیسی ہے وہ؟"

وہ اپنی طرف سے بات ختم کر کے اب اطمینان سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔ جب ہی بے دھیانی میں پوچھا۔

"کون؟"

"میں تمہاری بیوی کی بات کر رہی ہوں۔" وہ اس کے چٹخنے پر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر شرارت سے مسکرایا پھر اسی انداز میں بولا۔

"میں اگر تعریف کروں گا تو تم۔"

"جیلس نہیں ہوں گی۔" وہ فوراً بول پڑی اور وہ کسی طرح اپنی ہنسی نہیں روک سکا۔ قدرے توقف سے اس کی گھورتی ہوئی آنکھوں میں دیکھ کر گویا ہوا۔

"ایسی فضول باتیں سوچ کر خود کو ہلکان مت کرو، میری آنکھوں اور دل میں تم سما چکی ہو، اب اگر وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور ہو تب بھی مجھے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے اسے ڈھنگ سے دیکھا ہی نہیں۔"

وہ خاصی جز بز ہو کر پہلو بدلنے لگی، تب وہ گھڑی دیکھ کر گھبرا گیا۔

"ارے اتنی دیر ہوگئی، چلو بس اب فوراً اٹھ جاؤ۔"

"کیوں کیا اس نے جلدی آنے کے لیے کہا تھا۔"

اس کے اتنا کچھ کہنے کے باوجود وہ طنز کرنے سے باز نہیں رہ سکی۔ اور وہ جل کر بولا۔

"اس نے نہیں پاپا نے۔ اور پاپا کو تم جانتی ہو۔ انہوں نے ہی ہمیں آؤٹنگ کے لیے بھیجا تھا۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ ہم ڈنر تک واپس پہنچ جائیں۔"

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا بہت عجلت میں بتا رہا تھا۔

"بہرحال میں نے اسے اس کے میکے چھوڑا اور سیدھا تمہارے پاس چلا آیا اور اب پہلے اسے پک کرنا ہے، مائی گاڈ کتنی دیر ہو جائے گی، دعا کرو پاپا کسی کام سے چلے گئے ہوں اور ہمارے پہنچنے کے بعد ان کی واپسی ہو۔"

"میں کیوں دعا کروں۔" اسے جیسے موقع مل گیا کندھے اچکا کر لاپروائی سے بولی۔ اور پھر فوراً اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کے پیچھے لپکتا۔ لیکن اب اس سے پہلے ہی اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ اور بہت عجلت میں بیٹھ کر اسٹارٹ کی پھر اسپیڈ سے نکال لے گیا۔

پاپا ٹھیک آٹھ بجے ڈنر کے لیے ڈائننگ روم میں پہنچ جاتے تھے، اور ان سے پہلے گھر کے تمام افراد کی ٹیبل پر موجودگی ضروری ہوتی تھی۔ لیکن جس وقت وہ صبا کو لینے پہنچا پونے آٹھ وہیں ہو چکے تھے۔

پھر یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ اسے کھڑے کھڑے جانے دیا جاتا۔ وہ اس گھر کا نیا نیا داماد

تھا۔ گو کہ صبا کھانے کے لیے منع کر چکی تھی، پھر بھی امی اور بھابی نے چائے کے ساتھ کافی اہتمام کر دیا تھا۔ اور اسے بصد اصرار چائے کے لیے روکا۔ وہ انتہائی لاچاری سے بیٹھ تو گیا لیکن اس کی نظریں مسلسل گھڑی پر تھیں، بہت جلدی کرتے کرتے بھی کتنی دیر ہو گئی، پھر اس سے مزید غلطی یہ ہوئی کہ راستے میں اسے اپنا ہم خیال نہیں بنایا۔ بس اپنے آپ ہی سوچ لیا کہ پاپا کے سامنے کیا عذر تراشے گا۔ بہر حال جب اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو نو بج رہے تھے۔ اور پاپا لاؤنج میں ہی منتظر بیٹھے تھے۔

”سوری پاپا، کچھ دیر ہو گئی۔“ وہ ان کے ٹوکنے سے پہلے ہی بول پڑا۔ تو پاپا اسے نظر انداز کر کے صبا سے کہنے لگے۔

”بیٹا! کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ کھانے تک پہنچ جانا پھر؟“

”مجھے یاد تھا پاپا! لیکن شہریار کو دیر ہو گئی۔“

اس کی بات پر وہ سچ مچ چکرا کر رہ گیا۔ پاپا نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی پھر صبا سے پوچھنے لگے۔

”کیا مطلب؟ اسے کہاں دیر ہو گئی؟“

”پتا نہیں، اصل میں یہ مجھے امی کے گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے تھے۔“

وہ سادگی سے سچ بول رہی تھی تب وہ سٹپٹا کر بول پڑا۔

”وہ پاپا میں اپنے ایک دوست کے پاس چلا گیا تھا۔“

”دوست کے پاس“ پاپا نے نظروں سے اسے گھورا۔ پھر جانے کس خیال کے تحت مزید باز پرس کا ارادہ ترک کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولے۔

”جاؤ چینج کر کے کھانا کھاؤ اور صبا، تم کھانے کے بعد میرے کمرے میں آ جانا۔“

”جی!“ وہ سر جھکا کر بولی اور پھر وہ بھی اس کے پیچھے اپنے کمرے میں آ گئی۔

”کیا ضرورت تھی پاپا کو یہ بتانے کی کہ میں آپ کو میکے چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا تھا۔“ کمرے میں آتے ہی وہ اس پر بگڑنے لگا۔

”پھر کیا کہتی؟“

”دیکھیں۔“ وہ اتنا کہہ کر یوں خاموش ہو گیا۔ جیسے اس کا نام سوچ رہا ہو اور وہ اس کے انداز سے سمجھ کر بولی۔

”کمال ہے، اتنا چھوٹا سا تو نام ہے میرا اور آپ کو یاد نہیں ہوتا۔“

”مجھے بھی یاد نہیں ہو گا سمجھیں آپ!“

وہ کہتا ہوا واش روم کی طرف بڑھا اور اس نے ڈریسنگ روم کا رخ کیا اور پھر اس سے پہلے ہی چینج کر کے کمرے سے نکل آئی۔ گو کہ پاپا نے کھانے کے بعد بلایا تھا لیکن بھوک بالکل نہیں تھی اس لیے وہ اسی وقت ان کے کمرے میں آ گئی۔

پاپا موجود نہیں تھے، وہ یہی سمجھی واش روم میں ہوں گے، اس لیے اطمینان سے امی کے پاس بیٹھ گئی اور یونہی ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ کتنی دیر بعد اچانک اسے احساس ہوا کہ اس وقت امی کے رویے اور انداز میں خاصی سرد مہری ہے، اس کی باتوں کے جواب میں بھی بس ہوں ہاں کر رہی، تھیں جیسے جبراً اسے برداشت کر رہی ہوں۔ تب اسے بتانا پڑا کہ اسے پاپا نے بلایا ہے۔ اور جب انہوں نے بتایا کہ وہ اسٹڈی روم میں ہیں تو وہ فوراً انہیں شب بخیر کہہ کر اسٹڈی روم میں آ گئی۔

”جی پاپا!“ اس نے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو انہوں نے سامنے کھلی کتاب بند کی، اور سگار بجھانے کے بعد اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

”بیٹھ جاؤ!“ وہ بیٹھ گئی تب وہ کہنے لگے۔

”مجھے تم سے شہریار کے بارے میں بات کرنی ہے۔ گو کہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ بیوی ہونے کے ناطے اب یہ تمہارا فرض ہے کہ اس کی ایکٹویٹیز پر نظر رکھو۔ تم خاصی سمجھدار لڑکی ہو۔ اس لیے میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا!“

وہ اسے سوالیہ نشان بنا کر بڑے آرام سے دوبارہ سگار بھرنے اور سلگانے میں لگ گئے۔ اسے خاصی بے چینی ہونے لگی کہ آخر وہ اس کے بارے میں کیا بتانا چاہتے ہیں۔ جتنی دیر وہ سگار میں لگے رہے اس نے خود ہی کتنی باتیں قیاس کر ڈالیں۔ پھر جیسے ہی انہوں نے دیکھا پوری جان سے متوجہ ہو گئی۔

”شہر یار میں کوئی خدانخواستہ خامی یا غلط عادت نہیں ہے۔ بس ایسا ہے کہ دو سال پہلے وہ ایک سارہ نامی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ میرے نزدیک یہ بھی کوئی قابل گرفت بات نہیں، کیونکہ اسے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے اور اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق حاصل تھا۔ لیکن سارا اختلاف مجھے اس کی پسند سے تھا۔ گو کہ وہ لڑکی خوبصورت اور پڑھی لکھی ہے۔ لیکن اس کی ماں کسی زمانے میں کال گرل تھی۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی شریف آدمی سے شادی کی اور سارہ اس کی اولاد ہے تب بھی اس میں ماں کے خون کی آمیزش

تو ہوگی۔ اور میں اپنی نسل میں کسی گندے خون کی آمیزش ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے شہریار کی مرضی کے خلاف اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دی۔''

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ سر جھکائے بظاہر پرسکون نظر آ رہی تھی۔ تب انہوں نے پوچھا۔

''شہریار نے تم سے اس سلسلے میں کوئی بات کی؟''

''جی نہیں!'' اس نے حرکت کیے بنا آہستہ سے جواب دیا۔

''ہوں'' انہوں نے پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا پھر کہنے لگے۔

''میں تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے شہریار ابھی بھی اس لڑکی سے ملتا ہے۔ دن میں تو میں خود اسے آفس میں مصروف رکھتا ہوں۔ اس کے بعد میں یہ ذمہ داری تمہیں سونپ رہا ہوں۔ اسے کہیں بھی تنہا مت جانے دو۔ وہ لاکھ کسی ضروری کام کا بہانہ کرے۔''

وہ یونہی بے دھیانی میں ذرا سا سر اونچا کر کے انہیں دیکھنے لگی۔ تو انہوں نے پہلے اس کی طرف سے کسی سوال کا انتظار کیا پھر کہنے لگے۔

''اس بات کو خود پر طاری نہیں کرنا اور نہ ہی مسئلہ بنا کر اپنی لائف ڈسٹرب کرو۔ تم اس گھر کی پہلی اور آخری بہو ہو کوئی تمہارے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ سمجھداری سے کام لو گی تو انشاء اللہ بہت جلد اپنی من پسند زندگی گزارنے لگو گی۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔''

اس نے اعتراف کے طور پر سر جھکا لیا۔ کیا کرتی اندر دور تک سناٹا ہی سناٹا تھا۔ ذہن الگ ماؤف ورنہ جس طرح انہوں نے بیٹے کی رام کہانی سنا کر بڑے آرام سے باقی ذمہ داری اسے سونپ دی۔ تھی جواب میں وہ بھی انہیں کم از کم اس کے ارادوں سے تو باخبر کر ہی دیتی۔ پھر یہ بھی ضرور پوچھتی کہ وہ اسے کس بناء پر پہلی اور آخری بہو کا مقام دے رہے ہیں۔ جبکہ وہ تو اسے پہلے ہی مقام پر ریجیکٹ کر چکا تھا۔

''گڈ، اب تم آرام کرو، اور ہاں اگر تمہیں شیری کی طرف سے کوئی شکایت ہو تو مجھ سے کہنا۔''

وہ کچھ نہیں بولی، چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بے چینی سے ٹہلتا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی بے صبری سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہے تھے پاپا؟'' اسے فوری جواب نہیں سوجھا تو بڑھ کر بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں آپ سے۔'' وہ اس کی بے نیازی پر سلگ کر دبی آواز میں چیخا

تو اچانک جیسے اس کے اندر کا سناٹا ٹوٹ گیا سیدھی کھڑی ہو کر تلخی سے بولی۔

''مسٹر شہریار علی! آپ کو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں صرف آپ کی درخواست پر یہاں رکی ہوں ورنہ۔''

وہ قصداً خاموش ہو گئی۔ اور وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ جب ہی اس نے فوراً معذرت کر لی۔

''آئی ایم سوری۔'' پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور لہجے کو نرم بنا کر وہی سوال دہرایا۔ ''کیا کہہ رہے تھے پاپا؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس حال احوال پوچھا۔''

''اتنی دیر!''

''ہاں اتنی دیر تک بس حال احوال ہی پوچھتے رہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بول پڑی۔ گویا مزید کوئی بات نہیں کرنی، تب وہ جھنجھلاتا ہوا صوفے پر جا لیٹا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا سر صوفے کے ایک بازو پر تھا تو دوسرے بازو سے پاؤں باہر نکل رہے تھے۔ تب وہ کچھ سوچ کر قریب چلی آئی۔

''سنیں!'' وہ ذرا سا بازو نیچے کر کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''وہ آپ، اپنی جگہ پر چلے جائیں۔''

''کیوں؟'' وہ سمجھ کر انجان بنا۔

''اس لیے کہ یہاں آپ پورے نہیں آتے۔ جبکہ میں آرام سے سو سکتی ہوں۔''

''اچھا!'' وہ خوشی کے بے اختیار اظہار کے ساتھ فوراً کھڑا ہو گیا۔ لیکن پھر احساس ہونے پر رک کر بولا۔ ''نہیں آپ میری مہمان ہیں۔''

''فکر نہیں کریں، میں یہاں سے نکل کر کسی سے نہیں کہوں گی کہ آپ نے اپنی مہمان کو صوفے پر سلایا تھا۔'' وہ کہہ کر فوراً لیٹ گئی تھی۔

☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، پاپا کی باتوں کو سوچتے ہوئے ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، اور یہ تو بعد کی بات ہے وہ تو ابھی تک خود اپنے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ اول شب سے آج تک وہ اسی بات میں اٹکی ہوئی تھی کہ آیا اسے اجنبیت کی دیوار گرانے کی کوشش کرنی چاہیے یا نہیں۔ اور پاپا نے سارہ کے بارے میں بتا کر تو

اسے مزید الجھا دیا تھا۔

وہ سوچتی اگر وہ سارہ کو اس کی زندگی سے نکالنے میں کامیاب ہو بھی گئی تب بھی اسے کیا ملے گا۔ ایک ادھورا چوٹ کھایا ہوا مرد جس کے دل میں نئے سرے سے اپنی محبت کا بیج بونے کے لیے اسے اپنی ہستی کا غرور ملیا میٹ کرنا پڑے گا اور یہ اسے ہرگز منظور نہیں تھا، نہ ہی اس انتظار میں بیٹھنا گوارا کہ کب وہ سارہ کی طرف سے مایوس ہو اور لوٹ کر اس کے پاس آئے۔

بہر حال ان دو راستوں سے ہٹ کر کوئی تیسرا راستہ اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور ایسے عالم میں کہ وہ نہ اپنی سمت کا تعین کر سکی تھی نہ مقام کا تو بلا ارادہ ہی دوسروں کی مرضی کے مطابق چلنے لگی تھی۔ پاپا کہتے وہ شہریار کو کہیں بھی اکیلا نہ جانے دے تو جب وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہوتا تو وہ اس سے پہلے تیار ہو جاتی۔ پھر راستے میں کہیں اچانک خیال آتا کہ اس کے ساتھ بیٹھا شخص اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں تو ایکدم ہی انجان بن جاتی۔ ساتھ ہی باقی سارا وقت خود کو کوستی رہتی کہ وہ اس کے ساتھ کیوں آئی۔ اس وقت بھی اچانک احساس ہونے پر کہنے لگی۔

''ایسا کریں، پہلے آپ مجھے امی کے گھر چھوڑ دیں۔'' وہ جو اس کے ساتھ آنے پر اندر ہی اندر...... پیچ و تاب کھا رہا تھا تڑخ کر بولا۔

''کیوں، آپ کو تو بہت شوق ہے ہر جگہ میرے ساتھ جانے کا۔''

''جی نہیں، مجھے کوئی شوق نہیں ہے'' وہ احساس توہین سے سلگ کر گویا ہوئی۔

''پھر کیا گاڑی میں سیر کرنے کا شوق ہے۔'' اس کے استہزائیہ انداز پر وہ مزید سلگ گئی۔

دل چاہا صاف بتا دے کہ وہ اس کے پاپا کے کہنے پر ایسا کرتی ہے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر باز رہی۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے، بس آپ مجھے امی کے گھر چھوڑ دیں۔''

''تاکہ آپ واپسی میں بہت معصوم بن کر پاپا سے کہیں کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔''

''میں ایسا کچھ نہیں کہوں گی، اس روز بھی اگر آپ مجھے پہلے سے سمجھا دیتے تو ایسی بات نہ ہوتی۔''

وہ مڑ کر اسے دیکھ کر اندازہ کرنے لگا کہ آیا اس کی بات میں کتنی صداقت ہے۔ پھر غالباً یقین کر کے گاڑی اس کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی۔

''او کے، میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں آ جاؤں گا۔''

وہ اسے گھر کے سامنے اتار کر اور اپنی واپسی کا بتاتا ہوا گاڑی بڑھا لے گیا۔ وہ کچھ دیر

تک یونہی کھڑی دور جاتی گاڑی کو دیکھتی رہی پھر اندر آ گئی۔

''اکیلی آئی ہو؟'' امی کا پہلا سوال یہی تھا۔

''نہیں شہریار ساتھ تھے۔ انہیں کسی کام سے جانا تھا، کچھ دیر میں آ ئیں گے۔'' اس نے سہولت سے جواب دیا پھر بھابی کو دیکھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

''شہریار کھانا تو یہیں کھائے گا ناں؟'' امی کو داماد کی خاطر داری کی فکر ہوئی۔

''ہو سکتا ہے، لیکن آپ زیادہ اہتمام نہیں کیجئے گا۔'' اس کے اکتائے ہوئے انداز کو بھابی نے محسوس کیا اور امی کے جاتے ہی۔ راز داری سے پوچھنے لگیں۔

''ٹھیک تو ہو، میرا مطلب ہے سسرال والے تمہارے ساتھ!''

''بس ٹھیک ہی نہیں۔''

اس کا انداز ہنوز تھا۔ اصل میں وہ کسی کی بے جا تعریف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ ذہن میں یہ بات تھی کہ واپس یہیں آنا ہے اور اس کے لیے پہلے ہی سے سب لوگ کم از کم یہ تو جان لیں کہ سسرال والوں کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ دوسری صورت میں تو سارا الزام اسی کے سر آنا تھا اور یہاں کوئی ایسا دل کا معاملہ بھی نہیں تھا جو وہ سارے الزام خوشی سے اپنے سر رکھ لیتی۔

''میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔'' اس کے جواب پر بھابی نے اپنے انداز سے بتانا شروع کر دیا۔

شادی والے روز ہی میں نے دیکھا تھا تمہاری ساس اکڑی اکڑی سی تھیں اور نندوں کے چہرے بھی لٹکے ہوئے تھے۔ حالانکہ اکلوتا بھائی ہے انہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ خیر شہریار کیسا ہے تمہارے ساتھ۔''

''وہ بھی بس ٹھیک ہیں۔'' اس کے بے نیازی سے کہنے پر بھابی نے فوراً ٹوکا۔

''پاگل مت بنو، کم از کم میاں کو تو قابو میں رکھو۔ دوسروں کا کیا ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتے ہیں، بس میاں اپنا ہونا چاہیے۔''

اس نے بس ذرا سا سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اب ان سے کیا کہتی جو پہلے ہی سے کسی کے قابو میں ہے اسے وہ کیا قابو کرے۔

☆

وہ سارہ کی بات سن کر اچھل پڑا۔ پھر کتنی دیر تک اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے کے بعد بولا۔

''کیا تم مذاق کر رہی ہو؟''

"نہیں، میں اپنی زندگی میں اتنی سنجیدہ کبھی نہیں ہوئی جتنی اب ہوں۔"

وہ سر جھکائے ناخن سے میز کی سطح کھرچتی ہوئی بظاہر پرسکون نظر آ رہی تھی۔ اسی انداز میں مزید گویا ہوئی۔ "ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ شہریار! کہ ہمارے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ میں بہت سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مجھے تمہارے راستے سے ہٹ جانا چاہیے۔ اور جو لڑکی تمہارے نکاح میں آئی ہے تم اسے دل سے قبول کر لو۔"

"ناممکن قطعی ناممکن۔" اس کا انداز حتمی تھا۔ وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولی۔

"کچھ بھی ناممکن نہیں ہے، تم کوشش تو کرو۔"

"شٹ اپ۔ تمہارا مطلب ہے، اب میں اس لڑکی کے پیچھے بھاگوں جسے میں اول روز بتا چکا ہوں کہ اسے ہمیشہ میرے ساتھ نہیں رہنا۔ اس سے تو وہ یہ سمجھے گی کہ میں تمہاری طرف سے ٹھوکر کھا کر اس کی طرف پلٹا ہوں۔"

وہ ایکدم جذباتی ہو کر آپے میں نہیں رہا تھا۔

"دھیرج سے بات کرو۔" اسے ٹوکنا پڑا۔

"کیا دھیرج سے بات کروں۔ بس تم اتنا سن لو کہ اگر تم مجھ سے دور ہو گئیں تب بھی میں اسے نہیں اپنا سکتا۔"

پھر ایکدم اس کا ہاتھ تھام کر جھٹکا دے کر بولا۔

"میری طرف دیکھو سارہ! تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا یا مایوس ہو گئی ہو۔"

"میرا ہاتھ چھوڑو۔" وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"نہ بے اعتباری ہے نہ مایوسی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"پھر؟" اس کی گرفت آپ ہی آپ ڈھیلی ہو گئی۔ تو وہ جلدی سے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"بس میں اپنے مقدر سے شاکی ہوں۔"

"بیوقوف ہو تم، میں آج ہی امی سے بات کروں گا۔"

"ان سے تو تم پہلے بھی بات کر چکے ہو، اصل مسئلہ تو تمہارے پاپا کا ہے۔" اس نے یاد دلایا۔

"فکر نہیں کرو۔ پاپا بھی مان جائیں گے۔"

وہ جانے کس بناء پر اسے یقین دلانے کے ساتھ تسلی دے رہا تھا۔ حالانکہ خود اسے ایک

فیصد بھی پاپا کے مان جانے کی امید نہیں تھی۔ پھر گھڑی دیکھ کر چونک پڑا۔

"تمہارے پاس آ کر تو میں سب بھول جاتا ہوں۔ اب دیکھو، اسے میں ڈیڑھ دو گھنٹے کا کہہ کر آیا تھا۔ تین گھنٹے گزر گئے، اور پتا بھی نہیں چلا۔"

"اس کا مطلب ہے چلنا چاہیے۔"

"ایک منٹ میں بل پے کر لوں۔"

وہ اٹھ کر کاؤنٹر پر چلا گیا پھر وہیں سے اسے چلنے کا اشارہ کیا اور قدرے توقف سے اس کے پیچھے چلا باہر آ گیا۔

پھر جس وقت وہ صبا کو لینے پہنچا۔ سب اس کے انتظار میں بیٹھے تھے، امی نے صبا کے منع کرنے کے باوجود کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا اور اس کے انتظار میں ابھی کسی نے نہیں کھایا تھا۔ اس کے آتے ہی بھابی نے کچن کا رخ کیا، تو وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔ اور ان کے ساتھ کھانا نکال کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھنے لگی، کچھ دیر بعد سب وہیں آ گئے۔

کھانے کے دوران ابو اور بھیا مسلسل اس سے باتیں کرتے رہے اور پہلی بار اس نے غور کیا۔ وہ اپنے اطوار اور گفت و شنید میں کس قدر مہذب نظر آ رہا تھا۔ بلا ارادہ اس نے بار بار چونک کر اسے دیکھا۔ اور ہر بار خود کو ٹوکا بھی کہ وہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ اس وقت نظر آ رہا ہے اور ادھر خود کو ٹوکتی ادھر نظریں اس کی جانب اٹھ جاتیں۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور اس کے بعد ظاہر ہے واپسی اس کا خیال تھا۔ وہ راستے میں ایک بار پھر سے تاکید کرے گا کہ پاپا کے سامنے سچ نہ اگل دے۔ لیکن اس نے اس سلسلے میں سرے سے کوئی بات نہیں کی۔ جب دونوں گھر میں داخل ہوئے تو امی اور پاپا لاؤنج میں موجود تھے۔

"بہت دیر کر دی۔" امی انہیں دیکھتے ہی بولیں۔ تو اس نے جواب میں پہل کی۔

"جی، وہ امی نے کھانے پر روک لیا تھا۔ اس لیے دیر ہو گئی۔"

"شہریار تمہارے ساتھ تھا؟"

پاپا کی بے اعتباری پر وہ بری طرح جھنجلایا۔

ہرٹ بھی ہوا کہ وہ اس کی بات اس سے پوچھ رہے ہیں گویا ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔

"جی!" وہ مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئی اور امی کو غالباً پاپا کا اس کی طرف سے

کہاں آ کے رکے تھے راستے

مشکوک انداز اچھا نہیں لگا تھا جب ہی ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے بول پڑیں۔

"جاؤ، تم دونوں آرام کرو۔" وہ تو یہی چاہ رہا تھا فوراً لاؤنج سے نکل گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"تھینک یو!" زینہ چڑھنے سے پہلے اس نے شکریہ ادا کیا۔ تو وہ انجان بن کر بولی۔

"کس بات کا؟"

"آپ نے پاپا کے سامنے سچ نہیں بولا ورنہ تو۔"

"کیا پاپا آپ کے دوستوں کو پسند نہیں کرتے جو اتنی پابندی لگاتے ہیں۔"

وہ یونہی پوچھتی ہوئی اس سے پہلے زینہ چڑھنے لگی اور وہ ابھی کوئی مناسب جواب سوچ ہی رہا تھا کہ اس سے چار اسٹیپ آگے جاتے اس کا پاؤں مڑ گیا یا دوپٹے میں الجھا کہ اس کا توازن بگڑ گیا اور اگر اس کے پیچھے وہ ہوشیار نہ ہوتا تو اس کے ساتھ ہی لڑھکتا ہوا نیچے آتا لیکن وہ بہت پھرتی سے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام چکا تھا۔ یہ ایک بالکل غیر اختیاری عمل تھا۔ لیکن اس بے اختیاری نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔ اتنے قریب تھی وہ کہ سانسوں نے ایک دوسرے سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ ایک پل میں کیا قیامت ٹوٹی تھی۔ کہ وہ مضبوط توانا مرد خود کو ہوا میں معلق محسوس کر رہا تھا۔

وہ تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکلی اور پھر تیزی سے زینہ چڑھتی ہوئی کمرے میں غائب ہو گئی، جبکہ وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ حیران پریشان، ایک پل میں وہ اسے اپنے وجود کا احساس دلا گئی تھی۔ یوں کہ اس کے اندر ایک الاؤ دہک اٹھا تھا۔ گزشتہ دو سالوں سے وہ سارہ سے مل رہا تھا۔ بارہا اس کا ہاتھ تھاما لیکن ایسا نشہ اس کی قربت میں کبھی نہیں چڑھا تھا۔ جیسا اب اس کی نس نس میں سرایت کر رہا تھا۔ کتنی دیر تک وہ وہیں کھڑا خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن سارے احساسات جیسے ایک ساتھ بغاوت کر چکے تھے، وہ کس کس کو سمجھاتا۔

بالآخر تھک کر واپس زینہ اتر کر پچھلے دروازے سے کچن میں آ گیا۔ اور فریج سے ٹھنڈی یخ بوتل نکال کر اسی کو منہ سے لگا لیا۔ آدھی سے زیادہ بوتل واپس فریج میں رکھ دی۔ اس کے بعد لان میں نکل آیا۔

"کوئی اتنی حسین تو نہیں ہے۔"

خود کو سرزنش کرتے ہوئے وہ یہی سوچ سکا۔ پھر اپنے کمرے میں آتے ہوئے وہ خاصا مضطرب سا تھا اور جانے کیوں بہت احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ سامنے ہی

کہاں آ کے رکے تھے راستے

صوفے پر سو رہی تھی اور اس تمام عرصے میں یہ پہلا موقع تھا کہ رات بھر نیند میں بھی اسے اس کی موجودگی کا احساس رہا تھا۔

اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ شام میں ہی جب سارہ نے اس سے کہا تھا کہ "کچھ بھی ناممکن نہیں وہ کوشش تو کرے" تو وہ اس پر بگڑ گیا تھا۔ اور اب بنا کوشش کے ہی آناً فاناً سارے مرحلے طے ہو گئے تھے۔

اگلے دن وہ اپنے تئیں اس ایک پل کا اثر زائل کرنے کے لیے پاپا کے غصے کی پروا کیے بغیر آفس چھوڑ کر سارہ کے پاس چلا آیا۔ غالباً اس کا خیال تھا جیسے وہ ہمیشہ سارہ کو سامنے پا کر سب بھول جاتا ہے تو اب بھی اسے کچھ یاد نہیں رہے گا۔ لیکن یہ اس کی بھول تھی کیونکہ رات کو اس ایک پل میں اس کا اپنا آپ گم ہو گیا تھا۔ اور وہ خود کو کہاں ڈھونڈے سارہ کے سامنے اس طرح بیٹھا تھا کہ صرف نظریں اس پر تھیں جبکہ ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

سارہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"ایک تو تمہاری اس وقت آمد میرے لیے حیران کن ہے اوپر سے یہ کھویا کھویا انداز۔ آخر ہوا کیا ہے؟"

"آں!" وہ بری طرح چونکا۔ "کچھ نہیں، بس میں رات ٹھیک طرح سے سو نہیں سکا۔"

"کیوں؟" وہ شاید اپنے بارے میں کوئی خوبصورت جملہ سننا چاہتی تھی، جبھی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ اور اس کے دل میں چور تھا۔ نظریں چرا کر بولا۔

"پتا نہیں!"

"ایسا کرو، گھر جا کر آرام کرو۔"

"گھر!" وہ یوں بولا جیسے پتا نہیں اس نے کیا کہہ دیا ہو۔ پھر بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میں گھر نہیں جا سکتا۔"

"کیا بات ہے شیری؟ تم کچھ پریشان ہو؟" وہ مسلسل اس کی غائب دماغی نوٹ کر رہی تھی۔ آخر ٹوک دیا۔

"نہیں، مجھے اپنی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اچھا چلتا ہوں۔"

وہ کسی طرح بھی خود کو نارمل پوز نہیں کر سکا تو اٹھ کھڑا ہوا، اور اسے حیران چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ اپنی بدلتی کیفیات پر حیران کم پریشان زیادہ تھا۔

اور اندر سے کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح جو کچھ چرا کر خوف مسلسل کا شکار ہو جاتا ہے کہ کہیں کسی کو خبر نہ ہو جائے اور وہ اس سے خوفزدہ تھا۔ اسے ہرگز پتا نہیں چلنا چاہیے کہ وہ اچانک اس کے بارے میں کس انداز سے سوچنے لگا ہے۔ اس لیے اس کی کوشش ہوتی کہ اس سے کم سے کم سامنا ہو۔ لیکن دل یہاں بھی ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ آفس سے واپسی پر وہ چاہتا کہ کچھ وقت ادھر ادھر گزار دے اور روزانہ ہی وہ گاڑی گھر کی مخالف سمت دوڑاتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کب اور کیسے کسی چور راستے پر گاڑی مڑ جاتی اور وہ اس وقت چونکتا جب گھر سامنے نظر آتا۔ عجیب مشکل میں محسوس کر رہا تھا خود کو۔

رات سونے سے پہلے قصداً سارہ کو تصور میں لانے کی کوشش کرتا۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی جھنجھلا جاتا کہ وہ جو گزشتہ دو سالوں سے اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ وہ اپنے ذہن کے کینوس پر اس کی ہلکی سی شبیہ نہیں بنا پاتا تھا۔ اس کے برعکس وہ بڑی شان سے آن موجود ہوتی۔

اول شب سے آج تک اس کا ہر روپ جیسے لاشعور...... میں کہیں نقش ہوتا رہا تھا۔ جو اب دھڑلے سے شعور کے پردے پر جھلملاتا تھا۔ وہ ساری باتیں جن پر پہلے وہ جھنجھلایا اور بری طرح سلگا تھا۔ اب انہیں سوچ کر آپ ہی آپ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ جاتی تھی۔

اور اس کے برعکس وہ اب یہ سوچنے لگی تھی کہ اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ اسے اس اجنبی ماحول اور فضا سے سچ مچ وحشت ہونے لگی تھی۔ ظاہر ہے جب اول روز یہ طے ہو گیا تھا کہ اسے زیادہ دن یہاں نہیں رہنا تو اس نے خود کو یہاں ایڈجسٹ کرنے کی رتی برابر کوشش نہیں کی تھی۔ نہ گھر کے افراد کے لیے دل میں جگہ بنا پائی تھی۔ بس لیا دیا سا انداز تھا۔ حالانکہ جیہ اور صوی بہت شوق سے اس کے پاس آ کر بیٹھتی تھیں۔ ایک تو وہ ان کی اکلوتی بھابی دوسرے اتنی من موہن، وہ واقعی اس کی گرویدہ تھیں۔ اور وہ ان کی محبت اور شوق کو محسوس کرنے کے باوجود نظر انداز کرنے پر مجبور تھی، بس یہی خیال کہ جب ان کے ساتھ تعلق نہیں رہنا تو پھر تعلق بڑھانے سے فائدہ۔

ادھر کچھ دنوں سے وہ بہت الجھ رہی تھی کہ اس نے تو کچھ دنوں کا کہا تھا اور چھ ماہ سے زیادہ ہو گئے تھے، ابھی تک وہ کوئی اقدام نہیں کر سکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ پھر پہلے تو وہ گاہے بگاہے اسے باور کرانا ضروری سمجھتا تھا کہ اسے واپس جانا ہے جبکہ اب بالکل خاموش تھا۔

کچھ دن مزید اس نے اس کی طرف سے ایسی کسی بات کا انتظار کیا پھر مایوس ہو کر خود ہی، اس رات جب وہ کمرے میں آیا تو بلا تمہید کہنے لگی۔

"سنیں شہر یار علی! میں اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"کیوں؟" وہ یوں چونک کر حیران ہوا جیسے اس نے بالا ہی بالا فیصلہ کرنے کے بعد اسے مطلع کیا ہو۔

"کیوں کا کیا مطلب؟ کیا بہت زیادہ وقت نہیں گزر گیا جبکہ آپ نے تو کچھ دن کا کہا تھا۔"

اس کا لہجہ قدرے ناراض سا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بے دھیانی میں اسے دیکھتا رہا اور اس کے متوجہ ہونے پر نظریں چرا کر بولا۔

"اتنا زیادہ وقت تو نہیں گزرا!"

"آپ کو اس لیے محسوس نہیں ہو رہا کہ آپ اپنے گھر میں ہیں۔"

"اور آپ؟" وہ بے اختیار سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"مجھے اول روز بتا دیا گیا تھا کہ یہ میرا گھر نہیں ہے اور کسی کے گھر اتنے دن رہنا میرے نزدیک انتہائی غیر اخلاقی فعل ہے۔"

کتنی اجنبیت تھی اس کے انداز میں، وہ اگر اس وقت بڑی سے بڑی قسم کھا کر اس سے کہتا کہ تم میری زندگی میں اتنی اہم ہو گئی ہو کہ تمہارے بغیر گھر تو کیا میری ذات بھی ادھوری رہ جائے گی تو شاید وہ یقین نہ کرتی۔

"آپ اتنا کیوں محسوس کر رہی ہیں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہا۔"

"سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔" اس نے سوچا پھر اسے دیکھ کر بولی۔

"میں ایسی غلطی کیوں کروں جو مجھے مشکل دوراہے پر لا کھڑا کرے، میرا مطلب ہے اگر میں اسے اپنا گھر سمجھنے لگی تو کیا خبر بعد میں یہ خواہش سر ابھارنے لگے کہ کاش ایسا ہی ہو۔"

"کاش ایسا ہی ہو!" وہ اپنی خواہش لبوں تک لا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور قدرے توقف کے بعد اسے مختصر دیکھ کر کہنے لگا۔

"فکر نہیں کریں۔ میں جلد ہی پاپا سے بات کروں گا۔"

"اگر آپ کے لیے مشکل ہو تو میں بات کروں۔" اس نے اتنے آرام سے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ پریشان ہو گیا۔

"نہیں نہیں، آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" میں خود بات کروں گا۔ اور پلیز اب آپ سو جائیں۔"

وہ فوری اس کی بات پر عمل کرنے کے بجائے ٹیبل پر سے میگزین اٹھا کر دیکھنے لگی، پھر جب نیند آنے لگی تب لائٹ آف کر کے سو گئی۔

☆

چھٹی کا دن تھا۔ وہ رات ہی سوچ کر سوئی تھی کہ آج صبح ہی سے امی کے گھر چلی جائے گی۔ اس لیے ناشتے کے فوراً بعد وہ آ کر اپنے کپڑے استری کرنے لگی۔

''کہیں جانے کا پروگرام ہے؟'' وہ اسے اتنی عجلت کرتے دیکھ کر پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

''ہاں۔ امی کے گھر جاؤں گی۔''

پھر بٹن آف کر کے پلگ نکالتے ہوئے بولی۔

''آپ چلیں گے، میرا مطلب ہے مجھے وہاں چھوڑ کر۔''

''میں چلتا ہوں۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ اور وارڈ روب میں سے اپنے کپڑے نکالنے لگا۔ پھر ابھی وہ واش روم میں تھا کہ وہ تیار ہو کر نیچے آ گئی۔

امی کو اپنے جانے کا بتا کر جیہ کے پاس آ بیٹھی اور یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ تبھی اس کے قریب رکھے فون کی بیل ہوئی تو اس نے بلا ارادہ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو، شہر یار ہیں؟'' دوسری طرف نسوانی آواز سنتے ہی اسے سارہ کا خیال آیا پھر بھی اس نے پوچھ لیا۔

''آپ کون ہیں؟''

''اس بات کو چھوڑیں، بس مجھے شیری کا بتائیں۔''

''ایک منٹ، وہ آ رہے ہیں۔''

اس نے شہر یار کو آتے ہوئے دیکھا۔ اور ریسیور کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس کا فون ہے۔ وہ جلدی سے قریب آیا اور ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ لیکن دوسری طرف کی آواز سنتے ہی وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اطمینان سے جیہ کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

کچھ دیر بعد جب اس نے چلنے کے لیے کہا تب اٹھ کھڑی ہوئی۔

امی کے گھر اتفاق سے سیما پہلے سے آئی ہوئی تھی، جسے دیکھ کر اس نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا کیونکہ بڑے دنوں بعد بہنوں کو فراغت سے مل بیٹھنے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ سیما اس سے دو سال بڑی تھی اور اسی حساب سے اس کی شادی بھی ہوئی تھی۔ گود میں سال بھر کا بچہ تھا۔ کیونکہ دو ہی بہنیں تھیں اس لیے دوستی بھی بہت تھی۔ اس نے سوچا ہمیشہ کی طرح جب شہر یار کچھ دیر بعد کسی ضروری کام

کا بہانہ کر کے چلا جائے گا تب وہ سہولت سے سیما کو اپنے حالات کہہ سنائے گی۔ لیکن آج وہ جانے کس موڈ میں تھا کہ نہ صرف جم کے بیٹھ گیا بلکہ بہانے سے اس کے گرد چکر بھی لگا رہا تھا۔

''یہ آپ بار بار اس کا طواف کرنے کیوں چلے آتے ہیں۔''

سیما مسلسل نوٹ کر رہی تھی بلآخر شرارت سے ٹوک دیا۔ تو وہ پہلے ذرا سا جھینپا پھر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''آج آپ کو کسی ضروری کام سے نہیں جانا؟'' اس دوسرے حملے پر وہ ٹپٹایا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

''اگر آپ کو میری یہاں موجودگی ناگوار گزر رہی ہے تو چلا جاتا ہوں۔''

''نہیں، مجھے کیوں ناگوار گزرے گا۔ بلکہ میرا خیال ہے، مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔''

''ہائیں!'' سیما نے حیران ہو کر باری باری دونوں کو دیکھا۔ ''یہ تم دونوں کیسے اجنبیوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔''

''اصل میں یہ مجھے یہاں سے بھگانا چاہتی ہیں''

''کیوں صبا؟'' سیما نے اس کی خبر لی۔ تو وہ اسے گھورنے لگی۔

''میرا خیال ہے۔ میں ابو کے پاس بیٹھتا ہوں۔'' وہ فوراً وہاں سے کھسک گیا۔

پھر شام میں جب اس نے چلنے کے لیے کہا تو وہ اڑ گئی کہ ابھی کچھ دن یہیں رہے گی، حالانکہ پہلے سے اس کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا ورنہ گھر میں بھی بتا کر آتی۔ اور اسے اعتراض اسی بات پر تھا کہ اسے پہلے سے بتانا چاہیے تھا۔

''میرا پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔'' وہ اس کے بار بار ٹوکنے پر زچ ہو کر بولی۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ ابھی چلیں پھر کسی دن باقاعدہ پروگرام بنا کر آ جایئے گا۔''

''شہر یار ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' امی نے فوراً اس کی تائید کی۔

''جب تم اپنی ساس سے کہہ کر نہیں آئیں تو تمہیں رکنا نہیں چاہیے۔''

''خیر، امی کچھ کہیں گی تو نہیں۔'' وہ اس کا بگڑا موڈ دیکھ کر کہنے لگا۔ ''آپ شوق سے رہیں۔''

''نہیں میں چل رہی ہوں۔'' جب امی نے رکنے سے منع کیا تو وہ فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئی اور ایسے ہی روٹھے انداز میں سب سے مل کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

''اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔ وہ کچھ نہیں بولی اور ذرا

سارخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

گھر آئے تو آپی آئی ہوئی تھیں...... اور کیونکہ وہ ساری صورتحال سے واقف تھیں اس لیے بغور دونوں کی شکلیں دیکھ کر جانے کیا جاننے کی کوشش کرنے لگیں۔ اور وہ ان کے دیکھنے کے انداز سے ہی سمجھ گئی کہ وہ کیا جاننا چاہتی ہیں۔ اور خاص طور سے ان کے سامنے تو وہ ذرا بھی پوز نہیں کرتی تھی، ہنوز خفگی بھرے انداز میں انہیں سلام کیا اور فوراً اپنے کمرے کی طرف جانے لگی کہ امی نے پکار لیا۔

"جی!" وہ رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"صائمہ جب سے آئی ہے۔ تمہارا پوچھ رہی ہے اور تم۔"

امی نے اسے احساس دلانا چاہا کہ وہ بداخلاقی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

"میں چینج کر لوں۔" وہ پھر بھی نہیں رکی اور چینج کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

کچھ دیر بعد آپی خود ہی اس کے پیچھے چلی آئیں۔ اور اسے اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر انہیں برا ضرور لگا لیکن کچھ کہا نہیں۔

"آپ کیا صبح میرے جانے کے بعد ہی آ گئی تھیں؟" اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھا۔

"نہیں" میں دوپہر میں آئی تھی۔ اور خاص طور سے تمہارے لیے۔" انہوں نے لگاوٹ کا اظہار کیا تو وہ ذرا سا ہنسی۔

"اچھا!"

"ہاں اور اب تم مجھے اپنا احوال سناؤ، اور یہ بھی بتاؤ کہ شیری کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟"

"مجھے شہریار کے رویے سے کوئی غرض نہیں۔" اس کی پیشانی آپ ہی آپ شکن آلود ہو گئی۔ تو انہوں نے ٹھٹھک کر پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"آپ جانتی تو ہیں، پھر کیوں مطلب پوچھ رہی ہیں۔" اس کی ناگواری ہنوز تھی۔

"لیکن صبا! اس طرح تو زندگی نہیں گزرتی۔ میں مانتی ہوں کہ وہ شادی پر آمادہ نہیں تھا لیکن۔"

"یہ نہ کہیں کہ وہ شادی پر آمادہ نہیں تھے۔ یہ کہیں کہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔" وہ فوراً ٹوک کر بول پڑی۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟" آپی ٹپٹا گئیں۔

"مجھے پاپا نے بتایا ہے کہ موصوف جس لڑکی کے عشق میں گرفتار ہیں وہ اس خاندان کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔" اس نے بڑے آرام سے سچ بول دیا، تو آپی کتنی دیر تک اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

"پھر تمہیں کس بات کا خدشہ ہے، جب یہ طے ہے کہ سارہ اس گھر میں نہیں آ سکتی تو تمہیں کوشش کرنی چاہیے کہ شہریار اس کا خیال چھوڑ دے۔"

"میں ایسی کوشش کیوں کروں۔" ناگواری کے ساتھ اس کا لہجہ روٹھا ہوا تھا۔ تب آپی نے اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر سمجھانا چاہا۔

"اس لیے کہ تم اس کی بیوی ہو۔"

"نہیں، میرا ان سے کوئی ناطہ نہیں۔" اس نے فوراً ہاتھ چھڑا لیا۔ پھر کہنے لگی۔ "جس طرح سارہ کا یہاں نہ آنا طے ہے اس طرح میرا یہاں سے جانا طے ہے۔ پوچھ لیں اپنے بھائی سے انہوں نے مجھ سے یہی کہا تھا اور میں کوئی ایسی گری پڑی نہیں ہوں کہ ان کے فیصلہ سنانے کے بعد رحم کی بھیک مانگنے کھڑی ہو جاؤں، سوری آپی! میں یہ نہیں کر سکتی۔"

اجنبیت کے ساتھ ایسا قطعی انداز کہ آپی سچ مچ بوکھلا گئیں۔

"کیا کہہ رہی ہو صبا!"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ لوگ سارہ کو قبول کرتے ہیں یا نہیں اور نہ ہی شہریار کو اس کے چنگل سے چھڑانا میری دردسری ہے۔"

"میرا خیال ہے تم اب تک صرف جذباتی ہو کر سوچتی رہی ہو یا پھر خواہ مخواہ کی ضد ورنہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، فرض کرو اگر تم سے شادی کے بعد سارہ اس کی زندگی میں آتی تو کیا اس وقت بھی تم اسی طرح دامن بچاتیں کہ یہ تمہاری دردسری نہیں ہے۔"

آپی کو اس کی ہٹ دھرمی پر غصہ آ گیا پھر بھی لہجے پر قابو پا کر بولیں۔

"یہ بھی اتفاق ہے کہ تم نے اول شب شہریار کی باتیں سن لیں۔ ورنہ تمہیں کیا پتا چلتا پھر پاپا نے تم پر اعتماد کرتے ہوئے ایمانداری سے تمہیں حقیقت بتائی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم اسے ہماری کمزوری جان کر ہم پر رعب جمانے لگو۔"

آپی کا رویہ اچانک تبدیل ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن انہوں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ یہاں سب تمہارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ تمہارے نازیبا رویے کے باوجود۔ اور تم یہ خیال دل سے نکال دو کہ تمہیں یہاں سے جانا ہے۔ ہم تمہیں بھگا کر نہیں بیاہ کر لائے ہیں۔ تمہیں ہر حال میں اسی گھر میں رہنا ہے سمجھیں تم؟"

وہ اچانک سناٹے میں آ گئی تھی اس گم صم انداز میں انہیں دیکھے گئی۔ تب آپی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر جاتے جاتے رک کر کہنے لگیں۔

"یاد رکھو، عورت کی آدھی شادی مرد سے ہوتی ہے اور آدھی اس کے گھر والوں سے تم نے اگر اپنا رویہ اور انداز فکر نہیں بدلا تو بہت پچھتاؤ گی، کیونکہ نقصان ہمیشہ عورت ہی کے حصے میں آتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی آپی اس کے کمرے سے نکل گئیں۔ اس کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ جب دھیرے دھیرے حواس بحال ہونے لگے تو اندر ایسا جوار بھاٹا اٹھا کہ وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور کھولتے دل و دماغ کے ساتھ گویا "بس ابھی فیصلہ ہونا چاہیے" کی غرض سے آپی کے پیچھے جانا چاہتی تھی کہ اسی وقت وہ کمرے میں داخل ہوا۔ کچھ دیر پہلے کی صورتحال سے قطعی بے خبر اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا لیکن پھر فوراً ٹھٹھک کر پوچھا۔

"خیریت؟"

پہلے میں آپ کی بہن صاحبہ سے نپٹ آؤں پھر آ کر خیریت بتاؤں گی۔"

وہ غصے سے کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی کہ وہ سامنے آ گیا۔

"ہٹیں سامنے سے، میں اب یہاں ایک پل نہیں رہوں گی، میں ابھی پاپا سے فیصلہ کرواتی ہوں۔"

"پاپا گھر پر نہیں ہیں"

"اور لوگ تو ہیں۔" وہ اس کے قریب سے نکلنے لگی۔ لیکن اس نے فوراً اس کی کلائی تھام کر روک لیا۔

"پہلے مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟"

"نہیں، اب سب کے سامنے بات ہو گی۔ چھوڑیں میرا ہاتھ۔"

وہ اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ لیکن گرفت مضبوط تھی۔ جس سے وہ جھنجھلا کر اسی پر چیخ پڑی۔

"آپ جھوٹے اور بے ایمان ہونے کے ساتھ انتہائی بزدل بھی ہیں۔"

ان القاب پر ایکدم اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں اور ضبط کرتے کرتے بھی وہ اس کی کلائی موڑ کر کمر کے پیچھے لے گیا۔ پھر لفظ لفظ چبا کر بولا۔

"کیا بے ایمانی کی ہے میں نے آپ کے ساتھ اور بزدلی کی وضاحت بھی کریں۔"

"میرا ہاتھ چھوڑیں"

وہ تکلیف کے باعث روہانسی ہو گئی۔ آنکھوں میں پانی بھر گیا۔ تب اس نے گرفت ڈھیلی کی ہی تھی کہ وہ فوراً جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اسی کے انداز میں کہنے لگی۔

"یہ بزدلی نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ ابھی تک پاپا سے بات نہیں کر سکے۔ آخر آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔ خواہ مخواہ سب کی نظروں میں بری بن رہی ہوں۔"

"یہ محض آپ کا خیال ہے ورنہ یہاں سب آپ سے محبت کرتے ہیں اور جہاں تک پاپا سے بات کرنے کا سوال ہے تو۔"

وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ پرسوچ انداز تھا پھر اس کی طرف سے رخ موڑ کر اسی انداز میں بولا۔

"کیا کہوں پاپا سے کہ آپ یہاں رہنا نہیں چاہتیں۔"

"ارے!" وہ یہی سمجھی کہ اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہے، جب ہی طنز آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "چلیے یونہی سہی میرا مطلب ہے ایسا ہی کہہ دیں۔"

"کیا واقعی آپ؟" وہ اچانک اس کی طرف پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اور جانے کیا تھا اس کی نظروں میں کہ اس کی روانی سے چلتی زبان تالو سے چپک گئی۔ بمشکل ذرا سے کندھے اچکا سکی پھر فوراً ڈریسنگ روم کا رخ کیا۔

☆

کتنے دن ہو گئے تھے اسے امی کے گھر آئے ہوئے۔ وہ اسے یہ کہہ کر چھوڑ گیا تھا کہ جب تک وہ پاپا سے بات کرے اس دوران وہ اپنے گھر والوں کو بتا دے کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ اور اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ چاہے تو صحیح صورتحال بتا سکتی ہے اور وہ بتانا بھی چاہتی تھی، لیکن پتا نہیں کیسے جب ارادہ کرتی ساری ہمتیں جواب دے جاتیں۔

عجیب شش و پنج میں تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے۔ ابتدائی دنوں میں تو صحیح صورتحال بتائی جا سکتی تھی۔ اب اتنے عرصے بعد اگر وہ یہ کہے کہ اس کا شہریار سے کوئی ناطہ نہیں تو خود اس کی ذات مشتبہ ٹھہرتی تھی اور یہ اسے ہرگز منظور نہیں تھا۔ پورے پندرہ دن ہو گئے تھے اسے

آئے ہوئے۔ اس روز امی نے یونہی سرسری انداز میں پوچھ لیا۔

”کیا شہر یار ابھی تک لاہور سے نہیں آیا ہوگا۔“ جس روز وہ اسے چھوڑنے آیا تھا یہی کہہ گیا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے لاہور جا رہا ہے۔

”پتا نہیں۔“ اس نے بے دھانی میں لاعلمی کا اظہار کیا تو امی نے ٹوک دیا۔

”تمہیں پتا نہیں۔ کیا تمہیں بتا کر نہیں گیا کہ کتنے دنوں میں واپس آئے گا۔“ وہ پہلے شپٹائی پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

”ہاں دس دنوں کا کہہ کر گئے تھے لیکن زیادہ دن بھی ہو سکتے ہیں۔“

”گھر فون کر کے معلوم کرو۔ اتنی بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔“

امی جانے کیا سوچ کر اچانک اتنی سنجیدہ ہو گئیں کہ وہ ان کی بات رد نہیں کر سکی۔ اسی وقت اٹھ کر لابی میں آئی اور ریسیور اٹھا کر گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”ہیلو!“ دوسری طرف اس کی آواز سنتے ہی اس کا دل چاہا کھرے کھرے بے نقط سنائے۔ لیکن ساتھ ہی بھابی کا کمرا تھا۔ مجبوراً آواز پر قابو رکھنا پڑا۔ پھر بھی جھنجلاہٹ واضح تھی۔

”یہ آپ مجھے کس مشکل میں ڈال گئے ہیں۔“

”کیوں کیا ہوا؟“ اس کے اتنے اطمینان سے پوچھنے پر وہ بری طرح تپ گئی۔

”مجھے نہیں پتا۔ بس آپ خود آ کر بات کریں۔“

”کس سے۔ کیا بات کروں؟“ وہ یکسر انجان بن گیا۔

”دیکھیں شہر یار علی! میں بالکل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”بخدا میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔ آپ سہولت سے بتائیں میں کیا کروں؟“

”جو کچھ آپ نے اپنے پاپا سے کہا ہے وہ یہاں آ کر میرے امی ابو سے بھی کہہ دیں۔“

”بس اتنی سی بات۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔“

اس نے کہا تو وہ فون بند کر کے پچھلے دروازے سے اوپر چلی آئی۔ کیونکہ فوراً امی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی پھر کوئی پندرہ بیس منٹ بعد ٹونی اس کے پاس آ کر بولا۔

”پھوپھو! آپ کے انکل آئے ہیں۔“

”میرے انکل“ وہ پہلے حیران ہوئی پھر شہر یار کا خیال آنے پر بے ساختہ ہنس پڑی۔ اور ٹونی کو گود میں اٹھا کر نیچے آتے ہوئے بولی۔

”وہ میرے نہیں آپ کے انکل ہیں۔“

”آپ کے کون ہیں؟“ ٹونی نے معصومیت سے پوچھا۔

”میرے“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اب اس معصوم کو کیا جواب دے اور جواب سے بچنے کی خاطر وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے چلی آئی۔ وہ ابو کے پاس بیٹھا جانے کیا بات کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرا کر پوچھنے لگا۔

”ہاں بھئی، کیا پروگرام ہے؟“

”جی!“ وہ نہ صرف ٹھٹھکی بلکہ اندر ہی اندر سہم بھی گئی کہ شاید وہ اس کے سامنے ساری بات دہرانا چاہتا ہے۔

”گھر چلنا ہے یا نہیں؟“ اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ اور ابھی وہ گھبرا کر دزدیدہ نظروں سے ابو کو دیکھ رہی تھی کہ عقب سے امی کی آواز آئی۔

”کیوں نہیں۔ جب تم لینے آئے ہو تو جائے گی۔“

”چلیں پھر“ وہ فوراً کھڑا ہو گیا تو وہ بلا ارادہ ہی پیچھے ہٹتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر بولی۔

”نہیں میں نہیں جاؤں گی۔“

وہ جو اپنے آپ ہی جانے کیا سوچ کر آیا تھا اور اسی خیال کے مطابق خاصی شوخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر مچل رہی تھی۔ اس کے انکار پر جہاں مسکراہٹ غائب ہوئی وہاں وہ اندر ہی اندر بے حد خجالت بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ جبکہ امی اور ابو نے پہلے چونک کر اسے دیکھا پھر ٹھٹھک سے گئے اور وہ اسی طرح نفی میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ تب ابو اس کے سامنے شرمندہ سے کہنے لگے۔

”اصل میں صبا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے تم خیال نہیں کرنا بیٹا اور اگر مناسب سمجھو تو ابھی دو چار روز اسے یہیں رہنے دو۔“

اور وہ کب اس پر جبر کا حق حاصل کر سکا تھا۔ اس کے برعکس خود اپنی پوزیشن آکورڈ ہونے کا خدشہ تھا۔ جب ہی فوراً کہنے لگا۔

”کوئی بات نہیں انکل! اگر صبا ابھی یہیں رہنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں ایک دو روز کے بعد آ جاؤں گا۔“

”اچھا ابھی تو بیٹھو، دلہن کھانا لگا رہی ہیں۔“

امی نے ماحول کی کشیدگی کم کرنے کی خاطر موضوع بدلا لیکن اس نے معذرت کر لی۔

”ابھی بھوک نہیں ہے امی! پھر آؤں گا۔ اجازت دیجئے۔“

ابو سے مصافحہ کر کے وہ فوراً باہر نکل گیا تب دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے ابو نے امی کی طرف یوں دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کیا معاملہ ہے۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ میں صبا سے پوچھتی ہوں۔"

امی نے کہا اور صبا کے پیچھے دوسرے کمرے میں آئیں تو وہ گھٹنوں میں چہرا دیئے غالباً رو رہی تھی۔ تب پہلی بار امی کا ماتھا ٹھنکا اور انہیں حیرت بھی ہوئی کہ وہ اتنے دنوں سے یہاں تھی اور اس کے کسی انداز سے انہیں کسی گڑ بڑ کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کچھ دیر رک کر انہوں نے اس کا رونا محسوس کیا۔ ماں تھیں دلچسپی ضرور لیکن یہ بھی جانتی تھیں کہ کبھی اولاد کی بہتری کے لیے ہی اس کی طرف سے دل پر پتھر رکھنا پڑتا ہے لہٰذا قریب آ کر قدرے درشتی سے گویا ہوئیں۔

" یہ تم نے کیا بدتمیزی کی ہے صبا! اتنے دنوں بعد تمہارا میاں آیا اور تم بجائے حال احوال پوچھنے کے کھڑے کھڑے جواب دے کر چلی آئیں اور یہ اب رو کس بات پر رہی ہو۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ نہ ہی چہرا اونچا کیا۔ تب امی نے سامنے بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پکارا۔

"صبا! ادھر میری طرف دیکھو۔"

اس نے ذرا سا سر اونچا کیا اور دوپٹے سے آنسو صاف کرنے لگی۔ پھر امی کی طرف دیکھنا چاہا لیکن ہمت نہیں ہوئی۔

"ہاں اب بتاؤ۔ کیا بات ہے۔ کیا گھر سے ناراض ہو کر آئی ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ تو امی اچنبھے سے بولیں۔

"پھر شہر یار کے ساتھ جانے سے منع کیوں کیا؟"

"میں وہاں نہیں جاؤں گی امی کبھی نہیں۔" وہ پھر رونے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ جب کوئی ناراضگی نہیں ہے تو پھر۔"

"کیا ضروری ہے کہ میں کسی سے لڑ جھگڑ کر ہی آؤں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بول پڑی۔ "میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں پھر بھی میں وہاں نہیں جانا چاہتی۔"

"دیکھو صبا! یہ کوئی مذاق کی بات نہیں ہے۔" امی نے تنبیہی لہجہ اختیار کیا۔ "تم اگر لڑ کر آئی ہوئی ہوتیں تب بھی میں صرف تمہاری طرف داری نہیں کر سکتی تھی۔ اور اب بقول تمہارے کہ کوئی جھگڑا ہی نہیں تو تمہارا وہاں جانے سے منع کرنا میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میرا خیال ہے مجھے تمہاری ساس سے بات کرنی پڑے گی۔"

"ان سے آپ کیا بات کریں گی" وہ ٹپٹا گئی۔

"وہی پوچھوں گی جو تم بتا نہیں رہیں۔"

"کوئی بات ہو تو بتاؤں۔"

"ٹھیک ہے، جب کوئی بات نہیں تو اپنے گھر جاؤ۔"

امی نے قدرے تختی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ تو وہ کتنی دیر تک ان کے پیچھے نظریں جمائے بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆

اگلے روز جب ادھر سے اُدھر آتے جاتے بھابی نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھنا شروع کیا تو اسے بہت عجیب سا لگا۔ گزشتہ دنوں میں بھی وہ اس سے کئی بار پوچھ چکی تھیں کہ شہر یار لاہور سے کب آئے گا اور اس وقت اس نے غور نہیں کیا تھا جبکہ اب ان کی نظریں وجود کو چھیدتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ اتنی متجسس کیوں ہیں۔ رات شہر یار کے ساتھ نہ جا کر اس نے کوئی انہونی تو نہیں کی۔ آخر بھابی بھی تو اتنے اتنے دن میکے میں رہ کر آتی ہیں۔ کئی بار بھیا لینے گئے اور یونہی واپس آ گئے۔ وہ تو کبھی متجسس نہیں ہوئی تھی۔

بہر حال جیسے تیسے دن گزرا۔ شام سے ذرا پہلے اس نے سوچا۔ وہ کچھ دیر کے لیے بہن کے گھر چلی جائے اور ابھی امی سے بات کر ہی رہی تھی کہ شہر یار آ گیا۔ اس کی آمد واقعی غیر متوقع تھی جب ہی وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" امی کو سلام کرنے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور ابھی وہ کہنا ہی چاہتی تھی میری طبیعت کو کیا ہوا کہ بھابی کو آتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کیا آپ آفس سے سیدھا یہیں آ رہے ہیں۔"

"ہاں، میں نے سوچا کہ آپ کو لیتا چلوں۔

ورنہ گھر جا کر دوبارہ آنے میں خاصی دیر ہو جاتی۔ آپ چل رہی ہیں ناں؟"

"جی!" امی کی خاموشی اور بھابی کی متجسس نظروں نے اسے جی کہنے پر مجبور کر دیا۔ تب امی بھابی سے کہنے لگیں۔

"جاؤ دلہن! جلدی سے چائے لے آؤ۔"

اس نے بھابی کو جاتے ہوئے دیکھا پھر آ کر اپنا بیگ ٹھیک کرنے لگی۔ خاصی بد دل نظر آ رہی تھی۔ انداز سے بھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مجبوراً چلنے پر ہامی بھری ہے۔ وہ امی سے باتیں

کرتے ہوئے بار بار...... نظر اس پر ڈال لیتا۔ پھر بھابی چائے لے کر آئیں تو امی نے اسے پکار لیا۔ وہ بیگ لے کر آ گئی اور بیٹھتے ہی چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔ امی نے گھور کر دیکھا۔ تب احساس ہوا لیکن اس اثناء میں وہ اپنا کپ اٹھا چکا تھا۔

''رات کا کھانا کھا کر جانا۔'' امی نے ہمیشہ کی طرح اسے کھانے پر رکنے کا کہا اور اس نے بھی ہمیشہ کی طرح سہولت سے منع کر دیا۔

''پھر کسی دن آ جائیں گے۔ اس وقت تو اجازت دیجئے۔''

وہ کپ خالی کرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے بھی تقلید کی۔ اور اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔ پھر گاڑی میں اس کے برابر بیٹھتے ہی کہنے لگی۔

''آپ میرے ساتھ فاؤل کھیل رہے ہیں۔ آخر آپ کا مقصد کیا ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یوں اطمینان سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ تب وہ جھنجھلا کر مزید گویا ہوئی۔

''جب میں نے کل آپ کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا تو پھر آپ کیوں آئے؟''

''آپ کو لینے۔'' اس کے اطمینان میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا۔ ''اور اگر ابھی بھی آپ کو نہیں آنا تھا تو آپ منع کر دیتیں۔ میں کل پھر آ جاتا۔''

''اور یہ سلسلہ کب تک چلتا؟'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا اپنی اور اس کی جان ایک کر دے۔ کتنے آرام سے جلتی پر تیل چھڑک رہا تھا۔

''جب تک آپ آنے کی ہامی نہ بھر لیتیں۔''

''مجھے تو آپ'' وہ دانت پیس کر رہ گئی۔

''پاگل لگتا ہوں۔ یہی کہنا چاہتی ہیں ناں۔''

وہ سمجھ گئی اس وقت اگر اسے گالیاں بھی دے گی تو اس پر اثر نہیں ہوگا۔ جب ہی اس کی طرف سے منہ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ اور جیسے ہی گھر کے سامنے گاڑی رکی فوراً اتر کر اندر آ گئی۔

''ارے بھابی!'' صوی اسے دیکھتے ہی آ کر لپٹ گئی۔ ''ایمان سے آپ کے بغیر اتنا سونا سونا لگ رہا تھا۔''

کیوں جھوٹ بول رہی ہو صوی۔'' وہ پیچھے سے آ کر بولا۔ ''دن میں سو بار تو ان کے نہ ہونے کا شکر کرتی تھیں۔''

''اللہ نہیں بھابی۔ بھیا مذاق کر رہے ہیں۔ سچ میں بہت اداس ہو رہی تھی۔''

صوی نے معصومیت سے یقین دلایا پھر کہنے لگی۔ ''میں روزانہ سے کہتی تھی۔ آپ کو لے آئیں لیکن یہ ٹال جاتے تھے۔ وہ تو آج صبح پاپا نے ڈانٹا۔ تب کہنے لگے آج لے آؤں گا۔''

''اچھا!'' وہ قصداً اسے دیکھ کر جتانے والے انداز میں ہنسی تو وہ خجل سا ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ تب وہ صوی کے ساتھ امی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ خلاف معمول آج امی کے انداز میں سرد مہری نہیں تھی اس لیے وہ کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھی رہی۔ پھر ابھی اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ کچھ مہمان آ گئے۔ تب امی نے اسے بتایا کہ جیہ کے لیے آئے ہیں اور اسے بھی ڈرائینگ روم میں چلنے کے لیے کہا۔ تو وہ امی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اور جب امی نے مہمانوں سے اسے میری بہو کہہ کر متعارف کرایا تو جانے کیا ہوا۔ وہ فوراً ہی بہانے سے وہاں سے نکل آئی۔ سامنے سے شہریار آ رہا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے جانا چاہتی تھی لیکن وہ روک کر پوچھنے لگا۔

''آپ مہمانوں سے نہیں ملیں گی؟''

''مل چکی ہوں۔ حالانکہ مجھے ملنا نہیں چاہیے تھا۔''

وہ پوچھنا چاہتا تھا کیوں لیکن وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ حیران ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

باتوں کے دوران امی نے ایک دو بار اس سے صبا کی بابت پوچھا تو وہ قصداً ان سنی کر گیا۔ پھر جب صوی چائے لے کر آئی تو امی نے اسے صبا کو بھیجنے کا کہا اور وہ بظاہر انجان لیکن سارا دھیان اسی طرف تھا کہ وہ آتی ہے یا نہیں۔ اور وہ نہیں آئی۔

''بھابی کے سر میں درد ہے۔ وہ ابھی ٹیبلٹ لے کر لیٹی ہیں۔''

صوی نے آ کر بتایا تو اس کا دل چاہا۔ اس وقت جا کر اسے کھینچتا ہوا لے آئے لیکن مصلحتاً اسے کہنا پڑا۔

''صبا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہاں مجھے بھی کچھ ست سی لگ رہی تھی۔ جاؤ تم اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔''

مہمانوں کے سامنے امی یہی کہہ سکتی تھیں۔ وہ خاصی سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھا لیکن جب اپنے کمرے میں آیا تو اسے آرام سے بیٹھے دیکھ کر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا۔

''یہ کیا حرکت ہے۔ آپ کو ذرا احساس نہیں کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ اور

مہمان بھی خاص قسم کے۔"

"اسی لیے تو میں ان کے سامنے جانا نہیں چاہتی۔" وہ اس کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے آرام سے بولی۔

"کیوں؟" ابھی کچھ دیر پہلے بھی وہ یہی پوچھنا چاہتا تھا۔

"کیا ضرورت ہے نئے لوگوں سے متعارف ہونے کی۔ خوامخواہ بعد میں آپ کو صفائیاں پیش کرنی پڑیں گی۔"

"کیسی صفائیاں؟"

"یہی کہ آپ نے مجھے یا میں نے آپ کو کیوں چھوڑا۔" وہ اس کی بات پر کچھ دیر کو چپ سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ کا نہیں۔ آیئے نیچے چلیں۔ فی الحال گھر کی بہو ہونے کے ناطے آپ کا فرض ہے مہمانوں کو اٹینڈ کرنا۔"

"سوری۔ میں پہلے منع کروا چکی ہوں۔ اب نہیں جا سکتی۔"

"لیکن آئندہ خیال رکھیے گا۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"ہونہہ!" اس نے سر جھٹکا اور اپنا دھیان بٹانے کو میگزین اٹھا لیا لیکن بے سود۔ اس کی بات "آئندہ خیال رکھیے گا" نے اسے بری طرح جھنجلا دیا تھا اور بار بار وہ یہ سوچنے لگتی کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ مسلسل اس نہج پر سوچتے ہوئے واقعی اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ جب صومی رات کے کھانے کے لیے بلانے آئی تو وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا بھابی؟ زیادہ درد ہو رہا ہے؟" صومی تشویش سے پوچھتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ "لایئے میں آپ کا سر دبا دوں۔"

"نہیں۔ بس ٹھیک ہے۔" وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر یونہی پوچھ لیا۔ "مہمان چلے گئے کیا؟"

"ہاں بہت دیر ہوئی۔ اب تو میں آپ کو کھانے کے لیے بلانے آئی ہوں۔"

"کھانے کے لیے" وہ سوچنے لگی۔ جائے یا نہ جائے۔

"چلیں، امی بلا رہی ہیں" صومی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔ تو وہ جیسے اس کے اٹھانے پر اٹھ کر چلی آئی اور امی تھی جیسے اس کے انتظار میں تھیں۔ اس کے بیٹھتے ہی اسے سخت سست کہنا شروع کیا۔

"تم پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو۔ پھر اتنی بداخلاقی کا مظاہرہ کیوں کیا تم نے۔ کیا امپریشن

پڑا ہو گا ان لوگوں پر تمہارا۔"

"کیا بات ہے؟" پاپا نے ایک نظر اس پر ڈال کر امی سے پوچھا تو وہ کہنے لگیں۔

"صبا سے پوچھیں۔ جس کی بدولت آج مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔"

"صبا!" پاپا نے اسے متوجہ کیا تو وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"سوری پاپا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں مہمانوں کے درمیان نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اس لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔"

"لیکن جب تم آئی تھیں اس وقت اچھی بھلی تھیں۔" امی نے ٹوکا وہ پھر اچانک تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

"پتا نہیں۔ بس اچانک۔" وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"ہو جاتا ہے ایسا۔ اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔"

پاپا نے امی کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا۔ پھر سب کو کھانا کھانے کے لیے کہا۔

کھانے کے بعد وہ پھر اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ پاپا نے بلا لیا۔ وہ یہی سمجھی اب وہ اس کی کلاس لیں گے لیکن اس کے برعکس وہ اسے سراہتے ہوئے کہنے لگے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی ذمے داری کو احسن طریقے سے نبھایا۔"

وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔ بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

"میرا خیال تھا شہریار کو سارہ کے سحر سے آزاد کرانے میں کافی وقت لگے گا لیکن تم نے بہت جلد اس کا سحر توڑ دیا۔"

"میں نے۔" اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔ جبکہ پاپا اپنی کہے جا رہے تھے۔

"میں بہت متوحش تھا کیونکہ اس قسم کی لڑکیاں بہت مشکل سے پیچھا چھوڑتی ہیں۔ بہر حال اب میں خوش ہوں اور اس کا سارا کریڈٹ تمہیں جاتا ہے۔ تم واقعی سمجھدار لڑکی ہو۔"

وہ ایسے ہی گم صم انداز میں انہیں دیکھے گئی تو قدرے توقف سے وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے کہنے لگے۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جاؤ آرام کرو۔"

وہ اسی خاموشی سے اٹھ کر چلی آئی۔ اپنے کمرے میں وہ اس روز کی طرح شدت سے منتظر تھا۔ دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

"کیا کہہ رہے تھے پاپا؟" اور جانے کیسے اس کے سارے احساسات یکا یک بیدار ہو گئے۔

"کیا بات ہے۔ میں جب پاپا کے پاس جاتی ہوں آپ اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہیں۔"

اس پر نظریں جماتے ہوئے اس کے لہجے میں آپ ہی آپ طنز سمٹ آیا۔

"پریشان۔" وہ پہلے ٹپٹایا پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگا۔

"پریشانی کی بات تو ہے۔ کیونکہ پاپا کا غصہ بہت خراب ہے۔"

"میں نے تو کبھی انہیں غصے میں نہیں دیکھا۔"

"لیجیے۔ آپ کو آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن۔"

"آٹھ دن نہیں آٹھ مہینے۔"

اس نے احساس دلانا چاہا اور وہ سمجھ تو گیا پھر بھی انجان بن کر حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"آٹھ مہینے ہو گئے۔"

"جی۔ اور حیرت ہے جو فیصلہ آپ آٹھ دنوں میں کرنے والے تھے آٹھ مہینوں میں نہیں کر سکے۔ اور اب لگتا ہے مجھے ہی اسٹینڈ لینا پڑے گا۔"

وہ کہتے ہوئے ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اصل میں اب وہ یکسوئی سے سوچنا چاہتی تھی۔ جو پاپا نے کہا تھا اور جو اس کا رویہ تھا اور یہ کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

گزشتہ پندرہ روز سے وہ امی کے گھر تھی۔ اور یہ دن اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں گزارے تھے۔ کتنی بار کوشش کی کہ امی کو تمام صورتحال کہہ سنائے۔ لیکن ہر بار بات ہونٹوں تک آ کر رہ گئی۔ پھر اسے شہریار پر غصہ آتا کہ اس نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ علیحدگی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو لیکن اس کے برعکس وہ بڑے آرام سے تھا۔ اور اب پاپا کہہ رہے تھے کہ وہ سارہ کے سحر سے نکل آیا ہے۔ اگر وہ پاپا کی بات کا یقین کر بھی لے تو وہی بات کہ اس طرف سے ٹھوکر کھا کر اس کی طرف لوٹا ہے۔ اور وہ پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ وہ چوٹ کھائے ہوئے ادھورے مرد کو قبول نہیں کرے گی۔ اسے اپنی اولین شب کے اولین جذبوں کے پامال ہونے کا دکھ بھی تھا۔

وہ کیسے بھول جاتی کہ جس سیج کو بظاہر پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ اس میں اس کے لیے کتنے کانٹے تھے۔ جنہیں چننے کی اس نے کوشش بھی نہیں کی تھی۔ محض اس لیے کہ کہیں اس علامتی قیام گاہ کو وہ اپنا مستقل ٹھکانہ نہ سمجھ بیٹھے۔ ہر رات کانٹوں کی سیج پر سوتے ہوئے وہ خود کو سمجھاتی رہتی کہ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اول روز یا پھر پاپا کی زبانی سارہ کے متعلق سن

کر یہ فیصلہ کر لیتی کہ شہریار کو سارہ کے سحر سے نکال کر اس کے دل میں اپنی محبت کا بیج بوئے گی تو اس وقت وہ سچ مچ بہت خوش ہوتی لیکن اس کے اندر خوشی کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ بس ایک ہی بات ذہن کے ہر گوشے میں گردش کر رہی تھی کہ شہریار نے قصداً فیصلہ کرنے میں دیر لگائی کیونکہ سارہ کی طرف سے اسے خدشہ رہا ہوگا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں نبھائے گی یا پھر اس کے مدنظر دونوں راستے تھے کہ اگر پاپا، سارہ کے حق میں رام ہو جاتے تو وہ بڑے آرام سے اسے آزادی کا پروانہ تھما دیتا اور ایسا نہیں ہوا۔ تب بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ جب ہی تو اتنے اطمینان سے ہے۔

لیکن میں اسے اطمینان سے ہرگز نہیں رہنے دوں گی۔

متفکر سے انداز میں۔ سوچ رہی تھی۔ تبھی دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد اس نے پکار کر کہا۔

"صبا! کیا وہیں سونے کا ارادہ ہے۔"

اس نے ناگواری سے بند دروازہ کو گھورا۔ بولی کچھ نہیں۔ اور قدرے توقف سے اس نے پھر پکارا۔

"صبا! پلیز، دروازہ کھولیں۔"

وہ بادل نخواستہ اٹھ کر آئی اور اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے صوفے پر لیٹتے ہی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ وہ یہی سمجھا اندر سو گئی تھی اور نیند سے اٹھ کر آئی ہے۔ جبھی دوبارہ سو گئی۔ کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ لیٹا۔

☆

جیبہ کی بات طے ہو گئی تھی اور دو مہینے بعد شادی تھی۔ اس لیے گھر میں اچانک بہت کام بڑھ گیا تھا۔ امی ہر بات میں اس سے مشورہ ضرور لیتی تھیں۔ اور وہ کتنا دامن بچاتی بار بار جیسے آپ کی مرضی، جو آپ مناسب سمجھیں" کہتے کہتے بھی تھک گئی۔ تو پہلے بے دلی سے پھر بڑے خلوص سے اپنی رائے دینے لگی۔ اس وقت امی نے اس کے سامنے کئی سوٹ پھیلا کر پوچھا کہ کس پر کون سا کام اچھا لگے گا۔ اور جب اس نے بتایا تو امی نے یہ ذمے داری اس کے سر ڈال دی کہ وہی جا کر سب سوٹ کڑھائی کے لیے دے آئے۔ اور یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا لیکن وہ شہریار کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس لیے کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے امی! میں اور صومی اسی وقت چلے جاتے ہیں۔ شام میں پتا نہیں دکانیں کھلی ہوں گی یا نہیں۔"

"کیسے جاؤ گی۔ میرا مطلب ہے گاڑی تو ہے نہیں۔"

"ہم رکشہ سے چلے جائیں گے۔"

وہ جلدی جلدی سوٹ تہہ کر کے شاپر میں رکھتے ہوئے بولی۔ اور امی کی اجازت ملتے ہی ان کے کمرے سے نکل کر آئی اور ابھی صوی کو پکار رہی تھی کہ فون کی بیل سے ادھر متوجہ ہو گئی۔

"جی بھابی!" صوی اس کی آواز پر بھاگی آئی تھی۔ اس نے اسے امی کے پاس جانے کا اشارہ کیا اور بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"شہریار!" اس کی ہیلو کے جواب میں پوچھا گیا۔ آواز سے اس نے پہچان لیا۔ سارہ ہے اور ابھی کچھ روز پہلے پاپا نے کتنے یقین سے کہا تھا کہ شہریار اس کے سحر سے نکل آیا ہے۔

"آپ کون ہیں؟" اس نے قصداً انجان بن کر پوچھ لیا۔

"میں کوئی بھی ہوں، آپ مجھے شیری کے بارے میں بتائیں۔ وہ کہاں ہے؟"

"یہ آفس ٹائم ہے سارہ۔ اور اس وقت آپ کو انہیں وہیں رنگ کرنا چاہیے۔"

اس نے بڑی خوبصورتی سے اس کا نام لے کر جتایا کہ اسے پہچان چکی ہے اور سارہ کی حیرت فطری تھی۔

"ارے! آپ تو میرا نام بھی جانتی ہیں۔ کون ہیں آپ، صوی یا جیہ؟"

"دونوں میں سے کوئی نہیں۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ آپ شہریار کو آفس فون کر لیں۔" اس نے کہہ کر فون بند کرنا چاہا کہ وہ فوراً بول پڑی۔

"ایک منٹ۔ شیری آفس میں نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے میں نے پہلے وہیں فون کیا تھا۔"

"پھر مجھے نہیں معلوم کہاں ہیں۔" اس نے جلدی سے کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔ پھر اپنے کمرے سے پرس لے کر آئی تو صوی منتظر کھڑی تھی۔

"چلیں بھابی۔"

"ہاں چلو۔"

وہ شاپر اٹھا کر صوی کے ساتھ باہر نکل آئی۔ لیکن اب اس کا کسی بات میں دھیان نہیں رہا تھا۔ گو کہ اسے سارہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بس یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پاپا نے اس کے ساتھ غلط بیانی کیوں کی۔ اس نے تو کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں کی تھی۔ پھر۔

تمام وقت اس کا ذہن انہی باتوں میں الجھا رہا۔ حالانکہ صوی اس کے ساتھ تھی لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وہ صوی کے ساتھ آئی ہو۔ اس نے کڑھائی کے لیے ڈیزائن پسند کیے۔ پھر امی نے کچھ اور چیزوں کی لسٹ اسے تھمائی تھی۔ وہ بھی صوی نے اپنی مرضی سے خریدیں۔ اسے بالکل نہیں پتا چلا کہ صوی نے کب کس چیز کے بارے میں اس سے رائے لی۔ وہ بس ہوں ہاں کرتی رہی اور گھر آ کر تھکن کا بہانہ کرتے ہوئے سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔ وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ شام میں جیسے ہی شہریار آیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بپھر گئی۔

"بس شہریار علی! اب میں مزید ایک پل بھی یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"کیوں؟" وہ بے دھیانی میں کہہ گیا اور وہ بڑی بری طرح تپ کر اس کے مقابل آ کر کھڑی ہوئی۔ تب اس کے تیور بھانپ کر وہ پوچھنے لگا۔

"کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"

"کون کیا کہے گا؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"امی، جیہ، صوی۔ آخر ساس اور نندیں ہیں۔ کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسی بات جو آپ کو بری لگے۔"

اس کا اتنا اطمینان اسے مزید تاؤ دلا رہا تھا۔

"میری کوئی ساس نندیں نہیں ہیں۔"

"پھر آپ انہیں کیا سمجھتی ہیں؟"

"دیکھیں شہریار۔ مجھے ان باتوں میں الجھانے کے بجائے ابھی فیصلہ کریں۔" وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی۔

"فیصلہ تو ہو چکا۔"

اس کے اطمینان میں ذرا فرق نہیں آ رہا تھا۔ بڑے آرام سے صوفے پر بیٹھ کر شوز کے اسٹیپ کھولنے لگا تو وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"میں جانتی ہوں۔ فیصلہ ہو چکا لیکن اس پر عمل درآمد کا وقت کب آئے گا۔"

"ابھی عمل کیا جا سکتا ہے اسی وقت۔"

وہ سامنے ٹیبل پر ٹانگیں سیدھی کر کے اور آرام سے ہو گیا اور اسے دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا تو وہ جھنجلا کر بولی۔

"میں بالکل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔ آؤ یہاں بیٹھو اور آرام سے بتاؤ۔ تم کیا چاہتی ہو۔"

وہ قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے کلائی تھام کر تقریباً کھینچ کر اپنے برابر بٹھایا تو وہ اس کی اچانک بے تکلفی پر حیران ہو گئی۔ پھر احتجاجاً کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بول پڑا۔

"غصہ نہیں، آرام سے بات کرو۔"

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔ بس میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ خاصی پزل ہو رہی تھی۔

"تم ہاتھ کیوں چھڑانا چاہتی ہو؟"

وہ ذومعنی انداز میں کہہ کر اسے دیکھنے لگا۔ اور جواب میں کہنے کے لیے اس کے پاس بہت کچھ تھا لیکن اس کی قربت نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ خود کو بے بس محسوس کر کے ہونٹ بھینچ کر چہرا دوسری طرف موڑ لیا۔ تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

"سنو! جیسا تم کہو گی، میں ویسا ہی کروں گا لیکن پہلے میری بات سن لو۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اصل میں تم سے شادی سے پہلے میں سارہ کو۔"

"میں جانتی ہوں۔" وہ بلا ارادہ بول پڑی اور وہ اس کے ٹوکنے پر نہیں بلکہ جاننے پر حیران بھی ہوا اور کتنی دیر کے لیے خاموش بھی۔ غالباً اس انتظار میں تھا کہ وہ مزید کچھ کہے گی۔ پھر اسے بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"کیا جانتی ہو؟"

"یہی کہ آپ سارہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن پاپا۔"

"ایک منٹ۔" وہ ٹوک کر کہنے لگا۔ "میں سارہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب تم میری زندگی میں نہیں آئی تھیں۔"

"شہر یار پلیز۔ مجھے فریب دینے کی کوشش نہ کریں۔" وہ دبے لہجے میں چیخ پڑی۔ "آج صبح ہی تو سارہ کا فون آیا تھا۔"

"تو تمہیں غصہ اس بات کا ہے۔"

"نہیں بلکہ آپ ایک ہی وقت میں دونوں کو فریب دے رہے ہیں۔ اور اب جھوٹ بھی بول رہے ہیں۔ میں بھلا کب آپ کی زندگی میں آئی۔ میں تو زبردستی مسلط کی گئی اور زیادہ کیا کہوں شہر یار علی! اپنا رویہ اور اپنی باتیں آپ بھولے تو نہیں ہوں گے۔"

وہ کہنا نہیں چاہتی تھی پھر بھی کہے جا رہی تھی۔

"اور اب جب آپ پاپا کو منانے میں ناکام ہو چکے ہیں یا پھر سارہ نے مایوس ہو کر

راہیں بدل لیں تو آپ مجھے۔"

"بس خاموش ہو جاؤ صبا۔"

وہ جو محض اس خیال سے خاموشی سے سن رہا تھا کہ وہ دل کی بھڑاس نکال لے تو مزید...... برداشت نہیں کر سکا۔ اسے خاموش کرا کے کہنے لگا۔

"تم نے ساری باتیں اپنے آپ ہی فرض کر لی ہیں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ پہلے تحمل سے میری بات سن لو۔"

"ساری بات یقین کی ہے۔ آپ کچھ بھی کہیں میں یقین نہیں کروں گی۔"

اس کے قطعی انداز پر وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گیا اور اتنی دیر سے جو وہ اس کی کلائی پر گرفت مضبوط تھی وہ آپ ہی آپ ڈھیلی پڑ گئی۔ پھر قدرے تاخیر سے جیسے اپنے آپ سے بولا۔

"ہاں ساری بات یقین کی ہے اور تمہیں میرا یقین نہیں۔"

پھر گہری سانس کھینچ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ جز بز سی ہو کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور جانا چاہتی تھی کہ وہ کہنے لگا۔

"سنو، میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ جانا چاہتی ہو ابھی چلی جاؤ لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم جیہ کی شادی تک اس مسئلے کو نہ اٹھائیں۔"

اس نے بس یونہی پلٹ کر دیکھا تو وہ جانے کیا سمجھ کر کہنے لگا۔

"زیادہ دن تو نہیں ہیں۔ تم اگر غیر جانبداری سے سوچو تو......"

وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کمرے سے نکل گئی۔

☆

پھر وقت کو جیسے پر لگ گئے تھے۔ اتنی جلدی جلدی دن گزر رہے تھے کہ وہ حیران ہو رہی تھی۔ گو کہ اس کے اندر وقت کو روکنے کی خواہش نہیں تھی لیکن پتا نہیں کیا بات تھی کہ تیزی سے گزرتا وقت خوفزدہ کر رہا تھا۔ عجیب متضاد کیفیات میں گھری ہوئی تھی۔ کبھی قصداً پہلی شب کے بارے میں سوچنے بیٹھ جاتی جب آپی کی منتوں کے باوجود شہر یار۔ اسے دیکھنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ ایسی باتیں دہرا کر اس سے مزید متنفر ہو جائے گی پھر اسے اکیلے چھوڑ کر شہر یار کا سارہ کے پاس جانا۔

وہ ساری باتیں سوچتی اور اس سے نفرت بھی محسوس کرتی لیکن جہاں اسے چھوڑنے کا خیال آتا دل بیٹھنے لگتا۔ اور وہ اس دن کے بعد سے کیسا لاتعلق ہو گیا تھا۔ رات میں کمرے میں بھی

اس وقت آتا جب وہ سو چکی ہوتی اور صبح اس کے اٹھنے سے پہلے ہی غائب۔ اور اس کی گہری خاموشی اور لاتعلقی سے وہ اور زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔

پھر بقیہ دن ایسے ہی پریشانی میں گزر گئے۔ جیہ رخصت ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

اس رات کمرے میں جاتے ہوئے اسے ڈر لگنے لگا۔ بس یہی خیال آ رہا تھا کہ وہ منتظر بیٹھا ہوگا اور اسے دیکھتے ہی کہے گا۔ بس اب تمہارا رول ختم، بوریا بستر سمیٹو اور جاؤ یہاں سے۔ اور یہاں سے جانے کا فیصلہ تو وہ خود بھی اول روز ہی کر چکی تھی، لیکن اب اتنی دیر ہو گئی تھی کہ وہ اس کے بعد سب کا سامنا کرنے سے گھبراتی تھی۔ اس کا خیال تھا کوئی بھی اس کا یقین نہیں کرے گا اور اگر یقین کر لیا تو پہلی بات یہی ہوگی کہ پہلے کیوں نہ بتایا اور اب تک کس انتظار میں وہاں بیٹھی تھیں پھر پتا نہیں کوئی اس کا ساتھ دے گا بھی یا نہیں۔

بہر حال شادی کا گھر تھا اور وہ تھکن کے باوجود اسی وقت پھیلاوے سمیٹنے میں لگ گئی۔ امی نے کہا بھی کہ رہنے دو صبح کر لیں گے، لیکن وہ نہیں مانی۔ کچھ دیر صوبی نے مروتاً اس کا ساتھ دیا پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امی پہلے ہی سونے کے لیے جا چکی تھیں۔ اس نے اطمینان سے سب کام نمٹائے اور جب یقین ہو گیا کہ وہ سو چکا ہوگا تب دبے پاؤں کمرے میں آئی لیکن اسے بیٹھے دیکھ کر دروازے کے پاس ہی ٹھٹھک کر رک گئی۔ اور وہ اس کی آمد اور موجودگی محسوس کر رہا تھا پھر بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ جانے کیا لکھ رہا تھا اسی میں مصروف رہا۔

وہ کچھ دیر تک اس کے تیزی سے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ کو دیکھتی رہی پھر اچانک جانے کیا خیال آیا کہ بڑھ کر اس کے سامنے سے کاغذ کھینچ لیا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" اس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ جلدی جلدی اس کے لکھے ہوئے پر نظریں دوڑانے لگی۔ پہلے کچھ اشعار تھے پھر ایک پوری غزل، جسے اس نے سرسری انداز میں دیکھا پھر کاغذ اس کے سامنے پھینکتے ہوئے لہجے میں تاسف اور قدرے طنز سمو کر بولی۔

"چہ چہ۔ انسان میں اتنی جرات ضرور ہونی چاہیے جو......"

"دیکھو صبا!" اس نے فوراً ٹوکا۔

"مجھے بزدل ہونے کا طعنہ مت دینا میں چاہوں تو ابھی بھی سارا کے پاس جا سکتا ہوں۔"

"کس نے روکا ہے؟" وہ چیخ کر بولی۔

"تم نے۔"

"مجھے کیوں الزام دے رہے ہیں۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ وہ چھوڑ گئی ہے۔"

"وہ اگر چھوڑ گئی ہوتی تو تم یہاں نظر نہ آتیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کوئی فائدہ نہیں تمہیں مطلب بتانے کا، اس لیے کہ تم یقین نہیں کرو گی۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر مصالحانہ انداز میں کہنے لگا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ مزید کب تک میری مہمان رہو گی؟"

"میں کہیں نہیں جا رہی۔ اگر آپ میزبانی سے تنگ آ گئے ہیں تو آپ چلے جائیں۔"

وہ بیڈ سے تکیہ اٹھا کر صوفے پر رکھتے ہوئے جانے بے دھیانی میں کہہ گئی یا سچ اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

وہ بہر حال چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ پھر اچانک خوشگوار سے احساس میں گھر کر مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر پوچھنے لگا۔

"میں کہاں جاؤں؟"

"سارا کے پاس۔"

وہ کہتے ہوئے ہٹنا چاہتی تھی کہ وہ جلدی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پھر اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

"سارا کے پاس کیسے جا سکتا ہوں۔ اسے تو میں بہت پہلے خدا حافظ کہہ چکا ہوں۔"

وہ سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگی جیسے اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور وہ سمجھنے کے باوجود کہنے لگا۔

"اس روز بھی تم نے میری بات نہیں سنی تھی۔ میں اس وقت بھی سچ بولنے جا رہا تھا اور اب بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تمہاری مرضی یقین کرو یا نہ کرو۔"

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور قدرے توقف کے بعد کہنے لگا۔

"سارا اچھی لڑکی ہے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ پاپا نے زبردستی میری شادی تمہارے ساتھ کر دی ہے تو وہ بہت روئی تھی، لیکن پھر بعد میں وہی مجھ سے کہنے لگی کہ میں دل سے تمہیں قبول کر لوں، لیکن میں نہیں مانا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ تم یہی سمجھو گی کہ میں سارا کے ٹھکرانے پر تمہاری طرف لوٹا ہوں اور خود مجھے بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ میں جو تمہاری نفی کر رہا ہوں پھر ٹھوکر کھا کر تمہاری طرف لوٹوں۔ بہر حال اس وقت جب میں تمہیں چھوڑنے کے جواز ڈھونڈ رہا تھا کہ اچانک

تم مجھے اپنے ہونے کا احساس دلا گئیں۔ تم یقین نہیں کرو گی لیکن یہی سچ ہے صبا کہ احساس کا وہ ایک پل سارا کی دو سالوں کی محبت پر حاوی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے خود کو فریب دینے کی بہت کوشش کی۔ بھاگ بھاگ کر سارا کے پاس گیا لیکن اسے سامنے پا کر بھی وہ احساس نہیں ملا جو تمہاری ایک پل کی قربت نے بخشا تھا۔ تب میں نے اپنی بے بسی کا احوال سارہ کو کہہ سنایا اور وہ تو پہلے بھی مجھ سے کہہ چکی تھی کہ میں اس شادی کو مذاق نہ بناؤں۔ اس وقت بھی اس نے یہی کہا۔ بہر حال اس کے بعد میرا خیال تھا۔ جذبے بڑے منہ زور ہوتے ہیں اپنا آپ منوانے میں دیر نہیں کرتے، لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مقابل انتہائی احمق ہے۔"

"کون؟" اس نے چونک کر پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنسی کو بمشکل روک پایا پھر بھی مسکراہٹ نہ صرف ہونٹوں بلکہ پورے چہرے پر پھیل گئی تھی اور ایسے ہی انداز میں قدرے شوخ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ تو وہ خجالت مٹانے کو بگڑ گئی۔

"میں ہرگز آپ کا یقین نہیں کروں گی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ ابھی کچھ روز پہلے ہی سارا کا فون آیا تھا۔"

"اس نے تو آج بھی فون کیا تھا اور یہی جاننا چاہتی ہے کہ میں تمہیں اپنی محبت کا یقین دلانے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔"

"اسے کیا دلچسپی ہے؟"

وہ جتنا خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اتنا ہی عیاں ہو رہی تھی اور وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"اسے دلچسپی آئس کریم سے ہے جو ہم دونوں مل کر اسے کھلائیں گے۔"

وہ پھر سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو بڑھ کر بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر وہ تکیہ جو کچھ دیر پہلے اس نے اپنے لیے صوفے پر رکھا تھا، اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا۔ اور وہ چونکی تو لیکن اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ کیسے دیکھتی۔ وہ میزبانی کے سارے آداب بھلا کر دل کا مہمان ہونے آ رہا تھا۔